تکفیر و خروج

اور
عصر حاضر کی خارجی تحریکیں

تالیف

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ

استاذ الحدیث جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ



مراجعت و تقدیم

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

حافظ شاہد رفیق فاضل مدینہ یونیورسٹی

مکتبہ بیت السلام

لاہور ۔۔۔ ریاض

فہرست

❀ حرفِ چند۔۔۔۔۔(حافظ شاہد رفیق) 11

❀ پیش لفظ۔۔۔۔۔۔(حافظ صلاح الدین یوسف) 13

❶ کافر کون؟

❀ مقدمہ 19

❀ تکفیر کی اقسام 23

⊙ ① تکفیرِ مطلق 23

⊙ ② تکفیرِ معین (Nominate Takfeer) 24

۞ تکفیرِ معین کے اصول 24

۞ ① علم 24

۞ ② قصد و عمد 26

۞ ③ اختیار 27

۞ ④ تاویل (Misconception) 29

۞ ⑤ کفر ہونے کا اثبات 30

۞ تکفیرِ مسلم کے بھیانک نتائج 31

❀ تکفیر سے متعلق چند مسائل 32
❁ اسلامی ملکوں میں تنظیم سازی 32
❁ غیر مسلم کو کافر کہنا 35
❁ غیر مسلم سے ہمارا سلوک کیسا ہو؟ 36
❁ جنگ کرنے والے غیر مسلم ممالک کے عوام سے ہمارا سلوک....... 37
❁ ''ولاء'' اور ''تولی'' میں فرق 40
⊙ لفظ ''المُوَالَاۃِ'' اور ''التَّوَلِّي'' میں ایک دقیق فرق 40
❁ کیا غیر مسلم حکمران کی مدد کرنے والا مسلمان حکمران کافر ہے؟ 45
❁ شریعت سازی کرنے والے مسلمان حکمران کا حکم 47
❁ الاخوان المسلمون کا منہج 50
❁ تکفیری کون ہے؟ 50
❁ تکفیرِ مطلق اور تکفیرِ معین میں فرق 51
❁ تکفیرِ مطلق 52
❁ تکفیرِ معین 52
❁ کیا گستاخِ صحابہ کافر ہے؟ 53
❁ شیعہ اور رافضیوں کی تکفیر 53
❁ سلف کے نزدیک جہالت ایک عذر ہے 55
❁ کیا سیدنا عبداللہ بن زبیر اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما نے خروج کیا تھا؟ 70
⊙ 1 مرجئہ فقہا 72

⊙ 2 جہمیہ 74

⊙ 3 کرامیہ 76

⊙ 4 ماتریدیہ 77

2 خارجی کون؟

❀ خارجی کون؟ 81

❀ فکرِ خوارج کا آغاز 84

❀ خوارج کے متعلق نبوی پیشین گوئیاں 89

❀ خوارج کا حکم 101

❀ خوارج کے خلاف جہاد کرنے والوں کا حکم 108

❀ اولین خوارج کے حالات 110

✿ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خوارج سے مناظرہ 110

❀ خوارج کے خلاف جہاد کے کچھ حالات 118

❀ خوارج کے بارے میں ائمۂ دین کی آرا 125

❀ خاتمہ 129

3 کیا پاکستانی حکمران اور عدلیہ کافر ہے؟!

❀ مقدمہ 133

❀ خلافِ شریعت فیصلہ کرنے والوں کا شرعی حکم 137

❀ تکفیری دلائل کا علمی محاکمہ 143

- پہلی دلیل 143
- محاکمہ 143
- دوسری دلیل 145
- محاکمہ 145
- تیسری دلیل 145
- محاکمہ 146
- چوتھی دلیل 146
- محاکمہ 147
- پانچویں دلیل 147
- محاکمہ 148
- چھٹی دلیل 148
- محاکمہ 149
- ساتویں دلیل 150
- محاکمہ 150
- خاتمہ 152

4 خودکش دھماکے ....شریعت کی میزان میں

- مقدمہ 155
- خونِ مسلم کی حرمت 160
- تکفیری دلائل کا علمی محاکمہ 163

۞ پہلی دلیل: عوام مرتد ہو چکے ہیں! 163
۞ تجزیہ 164
۞ دوسری دلیل، غیر ارادی طور پر مسلمان کا قتل! 169
۞ تجزیہ 169
۞ تیسری دلیل: منجنیق سے حملہ کرنے کی رخصت 171
۞ تجزیہ 172
۞ چوتھی دلیل: ڈھال بنائے جانے والے مسلمانوں کا قتل 172
۞ تجزیہ 173
۞ دھماکوں کے طریقہ کار کا شرعی جائزہ 174
۞ پاکستان میں ہونے والے دھماکوں کے نتائج 176

5 داعش کی حقیقت

❀ داعش کی حقیقت 185
۞ دل کے شرارے 185
❀ داعش کیسے معرض وجود میں آئی؟ 190
۞ داعشی خلافت اور مسلمانوں کا قتلِ عام 191
۞ داعش کے اصول 193
❀ داعش یا خوارج ...؟ 198
۞ داعش میں پائی جانے والی خوارج کی صفات 201

6 سلفیت اور داعشیت

❀ سلفیت اور داعشیت 205

7 داعش کا تسلط اور اسلامی خلافت (مکالمہ)

❀ داعش کا تسلط اور اسلامی خلافت (ایک داعشی اور سلفی کا مکالمہ) 215

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب چند مضامین کا مجموعہ ہے، ان مضامین کا محور ایک ہی موضوع ہے، اور وہ ہے فتنۂ تکفیر۔ یہ فتنہ خارجی ذہن کی پیداوار ہے، جس میں بدقسمتی سے کچھ گروہ اور بعض ایسے نوجوان مبتلا ہیں جو کتاب وسنت پر عمل کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ یہ نوجوان اس فتنے کا شکار کیوں اور کیسے ہوئے؟

اس کا جواب واضح ہے کہ ان کا طریقِ کار اور فکر غلط ہے، جب کہ اچھے جذبات کے ساتھ ضروری ہے کہ فکر بھی صحیح ہو اور طریقِ کار بھی درست ہو۔

فکر ونظر کی کجی ہی نے ان کو غلط راستے پر ڈال دیا ہے، اس لیے اخلاص اور حسنِ نیت کے باوجود ان کا رویہ ایک ایسا فتنہ بن گیا ہے، جس نے اسلامی ملکوں کے امن کو تباہ کر دیا اور بین الاقوامی استعمار کے اُن مقاصد کو آگے بڑھایا ہے جو وہ اسلام، مسلمانوں اور اسلامی مملکتوں کے بارے میں رکھتے اور ان کے حصول کے لیے وہ مختلف قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں اور کر رہے ہیں۔

ان حضرات کو سوچنا چاہیے کہ وہ جس سراب کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس سے کس کو فائدہ پہنچ رہا ہے؟ ان کی مثال بقولِ شاعر حسبِ ذیل ہے:

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نَے ہاتھ باگ پر ہیں نہ پا ہے رکاب میں

فاضل مؤلف مولانا محمد رفیق طاہر صاحب حفظہ اللہ نے مسئلہ زیرِ بحث کے مختلف پہلوؤں کو خوب اجاگر کیا ہے اور اس کے پسِ منظر، پیشِ منظر اور تہ منظر کو نمایاں کر کے بھٹکے ہوئے راہیوں کو دعوتِ فکر بھی دی ہے اور صحیح طریق کار کی نشان دہی بھی کی ہے۔

یہ رہروانِ راہ گم گشتہ اگر واقعی اپنی عظمتِ رفتہ اور متاعِ گم شدہ کے حصول کی سچی تڑپ رکھتے ہیں تو ان کو علمائے راسخین کی راہنمائی میں اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنا زاویۂ فکر ونظر بھی بدلنا ہوگا اور اسی کی روشنی میں جادہ ومنزل کا تعین کر کے جدوجہد کا آغاز کرنا ہوگا، تاکہ عند اللہ بھی ان کی سعی رائیگاں نہ ہو اور عند الناس بھی وہ مقبول اور مشکور ہو۔ اس اعتبار سے فاضل مولف کی یہ کاوش وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اور گم کردہ راہوں یا حسین سپنوں کی دنیا میں رہنے والوں کے لیے ایک حقیقت نما آئینہ بھی ہے ع

مؤذن مرحبا بروقت بولا تری آواز مکے اور مدینے

فاضل مؤلف تمام اہلِ اسلام کی طرف سے شکریے اور قدر افزائی کے مستحق ہیں کہ ان کی سعی و کاوش سے ایک ایسا علمی خلا پُر ہوگیا ہے، جس کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ جزاه الله أحسن الجزاء

حافظ صلاح الدین یوسف

۲ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ/۲ دسمبر ۲۰۱۶ء

شاداب کالونی، گڑھی شاہو، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ چند

گذشتہ چند برس سے عالمِ اسلام میں فتنۂ تکفیر و خروج بڑی تیزی سے پروان چڑھایا گیا ہے، جس کے پسِ پردہ وہی قوتیں کارفرما ہیں جو کسی طور اسلام اور مسلمانوں کو ترقی و عروج کی طرف بڑھتا نہیں دیکھ سکتیں۔ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کی خاطر یہ نادیدہ طاقتیں انسانیت اور شرافت کے ہر اصول کو روندتے ہوئے مسلمان ممالک میں جگہ جگہ خون کی ہولی کھیل رہی ہیں۔ یہ لوگ مسلمان ممالک ہی کے بعض جذباتی نوجوانوں اور علمی اعتبار سے ناپختہ کار افراد کو اپنے ان مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور انہی کے ذریعے معصوم بچوں، عورتوں اور بے قصور لوگوں کو خاک و خون میں نہلا رہے ہیں۔

اس المناک صورتِ حال کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایسے کم علم نوجوانوں اور گروہوں کے سامنے یہ فکر پیش کی گئی ہے کہ مسلم ممالک کے حکمران سمیت وہاں کے تمام انتظامی ادارے کافر اور مرتد ہیں۔ اس لیے ان کے خلاف لڑنا اور ''جہاد'' کرنا فرضِ عین کا درجہ رکھتا ہے۔ چنانچہ اسی غلط فکر کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ عموماً ہر مسلم ملک میں ایسے تخریب کار اپنی گمراہ فکر کی بدولت فساد برپا کیے ہوئے ہیں اور کفار سے جہاد کے بجائے وہ مسلم عوام کے خون سے اپنے ہاتھوں

کو رنگین کر رہے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے تو ایسی سازشوں کا پردہ چاک کیا جائے اورعوام الناس کے سامنے ان لوگوں کی حقیقت کھول کر بیان کی جائے جو مسلمان مما لک کے امن و امان کے دشمن ہیں اور ساتھ ہی نوجوانوں کی فکری تربیت کا معقول بندوبست کیا جائے کہ وہ نادانی میں ایسے مفسدین کا آلہ کار بننے سے محفوظ رہے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر محترم فضیلۃ الشیخ مولانا رفیق طاہر صاحب نے زیرِنظر کتاب میں عصرِ حاضر کے ان سلگتے مسائل پر قلم اٹھایا ہے اور تکفیر وخروج سے متعلق شرعی تعلیمات کو بیان کیا ہے اور موجودہ دور کی بعض خارجی تحریکوں کی حقیقتِ حال بیان کرتے ہوئے ان کے شبہات اور اشکالات کا نہایت عمدہ پیرائے میں علمی جائزہ لیا ہے۔

زیرِ نظر مجموعے میں متفرق اوقات میں لکھے ہوئے ان کے سات مضامین و رسائل شامل ہیں جن کا موضوع تکفیر وخروج اور اس نظریے کے حاملین کے عقائد واعمال کا تجزیہ ہے۔

پہلا رسالہ ''کافر کون'' کے عنوان سے ہے جس میں تکفیر کی اقسام، اصول وقواعد، تکفیرِ مسلم کے بھیانک نتائج، غیر مسلم مما لک وعوام سے ہمارا سلوک، اسلامی مما لک میں تنظیم سازی، مسلم مما لک کے حکمرانوں سے ہمارا رویہ اور بعض منحرف اسلامی فرقوں کے متعلق صحیح موقف جیسے اہم موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرا رسالہ خروج اور خوارج کی حقیقت بیانی پر مشتمل ہے جس میں خارجی کی پہچان، فکرِ خوارج کا آغاز، خوارج کے متعلق نبوی پیشین گوئیاں،

خوارج کا حکم، خوارج کے خلاف جہاد کرنے والوں کا اجر وثواب اور خوارج کے بارے میں ائمہ دین کی آرا جیسے مباحث شامل ہیں۔

تیسرا رسالہ عصر حاضر کے خوارج کے اس موقف کی تردید پر مشتمل ہے کہ مسلمان ممالک بالخصوص پاکستان کے حکمران اور قانونی ادارے کافر ہیں جن کے خلاف لڑائی کرنا ''جہاد'' ہے۔ محترم مولف نے اس سلسلے میں خوارج کے پیش کردہ تمام دلائل کا علمی محاسبہ کیا ہے اور ان کے موقف کا سقم واضح کیا ہے۔

چوتھا رسالہ مسلم ممالک اور اسلامی معاشرے میں خودکش دھماکوں کی شرعی حیثیت اور اس سلسلے میں اہلِ تکفیر کے ذکر کردہ شبہات کے ازالے پر مشتمل ہے۔ مولف نے اس ضمن میں مندرجہ ذیل چار بنیادی اشکالات کا علمی تجزیہ کیا ہے:

1. کسی بھی مسلمان کو جان بوجھ کر یا انجانے میں قتل کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
2. جاہل مفتیوں نے ان دھماکوں کے جواز میں جو فتاویٰ دیے ہیں، ان کی کیا حقیقت ہے؟
3. دھماکے کے انداز اور طریقۂ کار کو اسلام میں کیا حیثیت حاصل ہے؟
4. پاکستان میں کیے جانے والے دھماکوں کا فائدہ کسے اور نقصان کس کو ہوا ہے؟

زیرِ نظر مجموعے میں شامل آخری تین رسائل و مضامین عصرِ حاضر کی معروف خارجی تحریک داعش اور ان کے افکار ونظریات کی تردید پر مشتمل ہیں جن میں داعش کی حقیقت اور ان کے گمراہ کن عقائد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کتاب کے مولف برادرِ عزیز مولانا محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ کو جزائے خیر

عطا فرمائے جنھوں نے ان اہم مباحث پر قلم اٹھایا اور ایک ضروری موضوع کو نہایت احسن پیرائے میں پیش کیا ہے۔ امید ہے یہ کتاب ہمارے نوجوانوں اور اس مذموم فکر سے متاثر منحرف افراد کی راہنمائی کے لیے بے حد کارگر ثابت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کی تکمیل میں حصہ لینے والے تمام حضرات کے لیے اسے بلندیِ درجات کا سبب بنائے۔ آمین یا رب العالمین

والسلام

حافظ شاہد رفیق

کافر کون؟

مؤلف

محمد رفیق طاہر

مقدمہ

آج کل ایک دوسرے کو کافر کہنے کا رواج عام ہوتا چلا جار ہا ہے اور کیوں نہ ہو، اس میں تو لطف ہی بہت آتا ہے، کیونکہ ابلیس نے اس کام کو مسلمانوں کے لیے بڑا خوش نما بنا کر پیش کیا ہے۔ ویسے تو ہر گناہ والا کام ہی پرلطف ہوتا ہے، گو آخرت میں اس کا انجام بہت برا نکلتا ہے، لیکن گناہ جیسے جیسے بڑا ہوتا جاتا ہے، ویسے ہی اس کی لذت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، اور چونکہ کسی مسلمان کو کافر قرار دے دینا گناہوں میں سے بہت بڑا گناہ ہے، اسی لیے اس گناہ پُرلذت کے مرتکب بہت ہی محظوظ ہوتے ہیں۔

اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو کسی کلمہ پڑھنے والے اور ارکانِ اسلام و ایمان پر عمل کرنے والے شخص کو کافر قرار دینا بسا اوقات دینی و شرعی ضرورت بن جاتی ہے، اور اسلام نے بھی اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے اور اس کے ظاہری اعمال مسلمانوں والے ہوں، لیکن پھر اس کے بعد وہ کوئی ایسی حرکت کرے جو کسی مسلمان کو مرتد بنا دیتی ہے تو اہلِ علم مکمل تحقیق و تفتیش کے بعد اس کے کافر ہونے کا اعلان کر دیں اور مسلمان حاکم اس مرتد کو قتل کر دے، تاکہ یہ گندی مچھلی سارے تالاب کو گندا نہ کر دے۔

ماضی میں اس شرعی سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے اسلام

دشمنوں کو کافر قرار دیا گیا ہے، جنھوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر کفر کی ترویج شروع کر دی تھی۔ ماضی قریب میں مرزا غلام احمد قادیانی اس بات کی بہترین مثال ہے کہ مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے مکمل تحقیق و تفتیش کے بعد اس کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا، پھر ان کے بعد برصغیر کے دیگر علمائے کرام نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کردار کو پرکھ کر اس پر کفر کا فتویٰ لگایا، اور یہ عین اسلام کی ضروریات میں ہے کہ ایسے ظالم شخص پر کفر کا فتویٰ لگا کر عوام الناس کے سامنے اس کا کفر واضح کیا جائے۔

لیکن بہرحال جیسا کہ مثل مشہور ہے: ''جس کا کام اسی کو ساجھے، کوئی اور کرے تو ٹھینگا باجے'' یہ کام ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کا نہیں ہے کہ ہر گاما، شیدا، ماجا، جو چاہے اٹھے اور کفر کی توپ چلانا شروع کر دے۔ یہ نہایت حساس معاملہ ہے اور صرف یہ نہیں کہ عوام الناس یہ کام نہیں کر سکتے، بلکہ یہ تو چھوٹے موٹے مولویوں کا کام بھی نہیں ہے۔ یہ ایسے کبار علما کا فریضہ ہے جو راسخ فی العلم، یعنی علم میں پختہ ہوں اور علما بھی عوام الناس میں عالمِ دین مشہور ہونے کے باوجود ان کی طرف رجوع کرتے ہوں، ان سے سیکھتے ہوں اور مسائل کا حل دریافت کرتے ہوں، ایسے ہی لوگوں کو عرف عام میں استاذ العلماء (علما کا استاد) یا استاذ الاساتذہ (استادوں کا استاد) کہا جاتا ہے۔ الغرض یہ فریضہ جتنا بڑا اور معاملہ جتنا حساس ہے، اسے سرانجام دینے کے لیے بھی اتنے بڑے علم و فضل کے حاملین اور حکمت و دانائی کے پیکر درکار ہیں۔

یہ صرف اسی مسئلے کی بات نہیں ہے، بلکہ دنیا کا ہر کام اسی اصول پر ہی

چلتا ہے۔ کسی بھی ملک کے عوام زمامِ حکومت کسی مجنون اور دیوانے کے سپرد نہیں کرتے، بلکہ کسی صاحبِ علم و دانش کو اپنا حاکم بناتے ہیں، کیونکہ نظامِ حکومت کو چلانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ایسے ہی تقریباً ہر معاملے میں لیڈر اور راہنما صرف اسے ہی تسلیم کیا جاتا ہے جس میں قائدانہ صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہوں، وگرنہ وہ قوم تباہ ہو جاتی ہے جو اپنی سیادت وقیادت کسی نا اہل شخص کے سپرد کردے۔ ایک عرب شاعر نے تو کیا خوب کہا ہے ع

إِذَا كَانَ الْغُرَابُ دَلِيْلَ قَوْم
سَيَهْدِيْهِمْ طَرِيْقَ الْهَالِكِيْن

''جب کسی قوم کا راہنما کوا بن جائے تو وہ انھیں ہلاکت کی راہوں پر ہی گامزن کرے گا۔''

الغرض ''لِكلِّ فَنٍ رِجالٌ'' یعنی ہر فن کے لیے ماہرین ہوتے ہیں۔ ایسے ہی مسئلۂ تکفیر کے لیے بھی ماہرینِ فن کی ضرورت ہے، وگرنہ جیسے قوم کو اگر عطائی حکیموں اور ڈاکٹروں کے پلے ڈال دیا جائے تو پھر قبرستان ہی آباد ہوتے ہیں، ویسے ہی اگر مسئلۂ تکفیر کو جاہل اور کج فہم فتوی بازوں کے سپرد کر دیا جائے تو وہ ساری قوم کو ہی کافر بنا بیٹھتے ہیں، لہٰذا یہ مسئلہ انہی لوگوں کے سپرد کرنا ضروری ہے جو اس کے اہل ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ نے بہت سے کاموں کو کفریہ کام قرار دیا ہوا ہے، لیکن اس کے باوجود دینِ اسلام کسی خاص آدمی کی طرف اشارہ کرکے یا اس کا نام لے کر اسے کافر قرار دینے سے منع کرتا ہے، اِلا کہ اس میں کچھ شرائط پوری ہو

جائیں اور اس کے معاملے کی مکمل طور پر تحقیق کر لی جائے۔

اس مختصر سے رسالے میں ہم ان چند قوانین کا ذکر کریں گے جن پر عمل درآمد کرنا اسلام نے کسی بھی شخص کو کافر کہنے کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ جو شخص ان اصولوں کو مدِنظر رکھے بغیر کافر کافر کی گردان کرتا ہے، اسے تکفیری یا خارجی کہا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ اس رسالے سے یہ ہرگز مقصود نہیں ہے کہ اسے پڑھ کر ہر شخص لوگوں کو کافر بنانے کی مشق شروع کر دے، بلکہ مقصود صرف اور صرف اس معاملے کے بارے میں وضاحت کرنا ہے کہ یہ کام کن کن مراحل سے گزرنے کے بعد سرانجام دیا جاتا ہے، تاکہ ذی شعور لوگ اسے پڑھتے ہی فوراً سمجھ جائیں کہ یہ کام ان کی دسترس سے بالاتر ہے اور اسے ان لوگوں کے ہی سپرد کریں جو یہ کام سرانجام دے سکتے ہیں۔

محمد رفیق طاہر

24 شعبان 1434ھ

تکفیر کی اقسام

کسی کو کافر قرار دینے کی دو قسمیں ہیں: ایک تو یہ کہ کسی گروہ یا شخص کا نام لے کر اسے کافر قرار دینا، اسے تکفیرِ معیّن کہا جاتا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ کسی کام کو کفریہ قرار دینا، یعنی یوں کہنا کہ جس نے بھی فلاں کام کیا وہ کافر ہے۔ اسے ''تکفیرِ مطلق'' کہا جاتا ہے، یعنی تکفیرِ مطلق کسی خاص کفریہ فعل کی بنا پر ہوتی ہے، لیکن اس خاص فعل کا مرتکب خاص شخص اس وقت تک کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، جب تک اس میں تکفیر کی شرطیں پوری نہ ہو جائیں اور موانع ختم نہ ہو جائیں، لہٰذا تکفیرِ مطلق اور تکفیرِ معین کا فرق سمجھنا ضروری ہے۔

1 تکفیرِ مطلق

کسی بھی فعل کو کتاب وسنت میں کفر قرار دیا گیا ہو تو اس کے بارے میں یہ کہنا: جس نے بھی یہ کام کیا وہ کافر ہے، تکفیرِ مطلق کہلاتا ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ یا نبی آخر الزماں ﷺ یا ارکانِ اسلام و ایمان کا انکار کرنے سے بندہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، لہٰذا ہم کہیں گے کہ جس نے بھی شرک کیا، اس کا اسلام ختم ہو گیا اور جس نے بھی اللہ کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا۔ اسے تکفیرِ مطلق کا نام دیا

جاتا ہے اور ایسی تکفیر کی صورت میں جن افراد پر یہ تکفیر صادق آتی ہے، ان سے کفار والا معاملہ نہیں کیا جاتا نہ ہی انھیں مرتد قرار دیا جاتا ہے، بلکہ انھیں مرتد قرار دینے کے لیے ان کی معین تکفیر کی جاتی ہے۔

② تکفیرِ معین (Nominate Takfeer)

تکفیرِ معین یہ ہوتی ہے کہ کسی بھی ایسے کام کے مرتکب شخص کو نام لے کر کافر قرار دینا جس کام کا کفر یا شرک ہونا کتاب وسنت سے ثابت ہے، مثلاً: زید نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑایا تو یہ کہنا کہ زید کافر ہے، اسے تکفیرِ معین کہا جاتا ہے۔

تکفیرِ معین کے اصول:

مطلق تکفیر تو قرآن وحدیث کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص کرتا ہے، مگر تکفیرِ معین ایک حساس معاملہ ہے۔ تاہم اسلام میں کسی بھی شخص کی معین تکفیر کی جاسکتی ہے، لیکن اس کے کچھ اصول اور قواعد ہیں جو درج ذیل ہیں:

① علم:

اگر کسی آدمی کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ جو کام میں کر رہا ہوں، وہ کام کرنے سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو اس آدمی کو کفریہ کام کا ارتکاب کر لینے کے باوجود کافر نہیں کہا جائے گا، مثلاً: زید نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑایا اور اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ ایسا کرنے سے انسان مرتد ہو جاتا ہے تو اسے مرتد یا کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ))[1]

''میری امت سے خطا اور نسیان کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔''

جو بندہ جہالت کی بنا پر اور بھول کر کام کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔ ہم دنیا میں اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگا سکتے، جب تک اس کی جہالت رفع نہ ہو، بلکہ جہالت کی وجہ سے کفریہ کام سرانجام دینے والے کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا تھا، ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلَى نَفْسِهِ، فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِبَنِيهِ: إِذَا أَنَا مِتُّ فَأَحْرِقُونِي، ثُمَّ اطْحَنُونِي، ثُمَّ ذَرُّونِي فِي الرِّيحِ، فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّي لَيُعَذِّبَنِّي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا. فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهِ ذَلِكَ، فَأَمَرَ اللّٰهُ الْأَرْضَ فَقَالَ: اجْمَعِي مَا فِيكِ مِنْهُ، فَفَعَلَتْ، فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ، فَقَالَ: مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ؟ قَالَ: يَا رَبِّ خَشْيَتُكَ، فَغَفَرَ لَهُ))[2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک آدمی بہت گناہ گار تھا تو جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو کہا: جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر راکھ بنا دینا اور پھر مجھے ہوا میں اڑا دینا، اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھے جمع کر لیا تو

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (2043)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (3481)

مجھے ایسا عذاب دے گا کہ جیسا اس نے کبھی کسی کو نہ دیا ہوگا تو جب وہ فوت ہو گیا تو اس کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ جو کچھ تیرے اندر ہے اسے جمع کر! تو زمین نے اس کی خاک کو جمع کر دیا اور وہ اللہ کے حضور پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا: تجھے یہ کام کرنے پر کس نے ابھارا تھا؟ تو وہ کہنے لگا: اے رب! تیرے ڈر ہی نے مجھے اس کام پر مجبور کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔''

یعنی اس بے چارے نے اپنی جہالت کی وجہ سے یہ سمجھا کہ شاید اللہ کے پاس اتنی قدرت نہیں ہے کہ وہ ذروں کو جمع کر کے مجھے دوبارہ کھڑا کر سکے، البتہ وہ شخص مومن تھا، اسے یقین تھا کہ مرنے کے بعد حساب دینا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ پر اسے یقین تھا، لیکن اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کر بیٹھا کہ اگر میں راکھ ہو جاؤں گا اور میرے ذرات بکھر جائیں گے تو شاید اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جاؤں گا اور اس نے یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے کیا تھا تو اللہ رب العزت نے اسے معاف فرما دیا کہ اس شخص میں جہالت کا عذر تھا۔

② قصد وعمد:

یعنی کوئی بھی شخص جو کفر یہ کام کا مرتکب ہوا ہے، وہ اگر جان بوجھ کر کفر کرے گا تو ہم اس کا نام لے کر اسے کافر کہیں گے اور اس پر مرتد ہونے کا فتویٰ لگے گا، لیکن اگر وہ کفریہ کام اس سے کسی غلطی کی وجہ سے سرزد ہوا ہے تو اسے کافر

یا دائرۂ اسلام سے خارج نہیں قرار دیا جاسکتا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ))[1]

''میری امت سے خطا اور نسیان کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔''

اسی طرح وہ شخص کہ صحرا میں جس کا اونٹ گم ہو گیا اور وہ موت کا انتظار کرتے کرتے سو گیا، لیکن جونہی آنکھ کھلی تو اس کا اونٹ ساز و سامان سمیت اس کے سامنے کھڑا تھا، اس انتہائی خوشی کے عالم میں بے ساختہ اس کی زبان سے یہ جملہ نکلا: ''یا اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔''[2]

ظاہراً تو یہ کلمہ کفریہ تھا، لیکن چونکہ اس نے یہ جملہ جان بوجھ کر نہیں کہا، بلکہ بلا اختیار اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے، لہٰذا ایسے شخص کی تکفیر کرنا قطعاً جائز نہ ہوگا۔

③ اختیار:

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ آدمی مختار ہو، یعنی اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے کرے۔ اگر کوئی آدمی اس کو کہتا ہے کہ تو کفریہ کلمہ کہہ، نہیں تو تجھے ابھی قتل کرتا ہوں، پھر وہ اس کے جبر، تشدد اور ظلم کے ڈر سے کوئی کفریہ کلمہ کہہ دیتا ہے یا کفریہ کام سر انجام دے بیٹھتا ہے تو ایسے آدمی کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (2043)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (2747)

﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ [النحل: ١٠٦]

''جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اپنے ایمان کے بعد، سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور لیکن جو کفر کے لیے سینہ کھول دے تو ان لوگوں پر اللہ کا بڑا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

یعنی اگر جان بوجھ کر، اپنے اختیار کے ساتھ، جبر و اکراہ کے بغیر، وہ ایسا کفریہ کلمہ کہتا ہے یا کفریہ کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ قابلِ مواخذہ ہے، لیکن اگر کسی کے ڈر سے وہ کفریہ کام سرانجام دیتا ہے تو وہ قابلِ مواخذہ نہیں ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا:

((لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَإِنْ قُطِعْتَ وَحُرِّقْتَ))[1]

''تجھے جلا دیا جائے، تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں، تب بھی اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرنا۔''

عزیمت پر محمول ہے، یعنی موت کے خوف سے، جان بچانے کی غرض سے کفریہ یا شرکیہ کام کرنا پڑتا ہے، کفریہ یا شرکیہ کلمہ کہنا پڑتا ہے تو آدمی کو رخصت ہے کہ کفریہ یا شرکیہ کلمہ کہہ سکتا ہے، شرکیہ یا کفریہ کام کرسکتا ہے، لیکن عزیمت یہی ہے کہ بندہ اس وقت بھی کفریہ کلمہ نہ کہے اور اگر وہ رخصت کو اپنا لیتا ہے تو بھی شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ یہ کوئی مداہنت یا

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (4034)

معیوب بات نہیں۔

④ تاویل (Misconception):

چوتھی شرط یہ ہے کہ جو شخص کفر کا ارتکاب کر رہا ہے وہ مؤول نہ ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ کسی شرعی دلیل کا سہارا لے کر اس کام کو جائز سمجھتا ہو۔ قرآن و حدیث کی غلط تفسیر و تاویل کر کے کسی بھی کفریہ کام کو اپنے لیے جائز سمجھنے والے کی اس وقت تک تکفیر نہیں کی جاسکتی، جب تک اس پر حجت قائم نہ ہو جائے، جیسے صفاتِ باری تعالیٰ کی تاویل کرنے والے ہیں، یا اہلِ تقلید ہیں جو تقلیدی جمود کی وجہ سے کئی آیاتِ قرآنیہ اور متعدد احادیث کی تاویل کر کے ان کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح اہلِ بدعت ہیں۔

مثلاً: آج کل بہت سے لوگ غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے اور جو بھی غیر اللہ سے مدد مانگتا ہے وہ مشرک و کافر ہو جاتا ہے، لیکن اگر زید نامی شخص غیر اللہ سے مدد مانگتا ہے تو ہم اسے اس وقت تک کافر قرار نہیں دیں گے، جب تک اس پر حجت قائم نہ کر لیں، اس کی تحقیق نہ کر لیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلط تاویل و توجیہ کرنے والوں کے ایسے کاموں سے درگزر فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ، فَلَهُ أَجْرٌ)) [1]

''جب فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرتا ہے، اگر تو اس کا فیصلہ درست ہو تو

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (1716)

اسے دو اجر ملتے ہیں، لیکن اگر اس کا اجتہاد اسے غلطی پر پہنچا دے
تو بھی اسے ایک اجر ملتا ہے۔''

ہمارے یہاں پائے جانے والے بہت سے ایسے افراد جو کفریہ وشرکیہ کام کرتے ہیں، وہ اجتہادی خطا کا شکار ہوتے ہیں اور کتاب و سنت کی نصوص کی غلط تاویل وتفسیر کر کے اسے ہی حق سمجھ رہے ہوتے ہیں، لہٰذا کیسے ممکن ہے کہ ایسے شخص کی تکفیر کر دی جائے؟!

الغرض کسی بھی شخص کی معین تکفیر، یعنی اس کا نام لے کر اسے کافر قرار دینا یا کسی جماعت کی معین تکفیر اس وقت تک نہیں کی جا سکتی، جب تک اللہ رب العزت کے مقرر کردہ اصول وقوانین کو لاگو نہ کیا جائے۔

⑤ کفر ہونے کا اثبات:

ایسے ہی جس کام کی بنا پر کسی شخص کو کافر قرار دیا جا رہا ہے، اس کام کا کفر ہونا بھی شریعتِ اسلامیہ کے واضح دلائل و براہین سے ثابت ہو۔ یہ نہ ہو کہ جس کام کی بنا پر کفر کا فتویٰ لگایا جا رہا ہے، شریعت اسے کفر ہی نہ سمجھتی ہو۔ ہمارے معاشرے میں اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے کہ عمل کا کفریہ ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا، مگر اس کی بنا پر لوگوں کو کافر قرار دیا جا رہا ہوتا ہے۔ ایسا ہی کام نبی کریم ﷺ، قرآن مجید فرقانِ حمید اور اللہ تعالیٰ کی گستاخی کے نام پر بھی کیا جاتا ہے کہ بہت سے ایسے افعال و اقوال جو شریعت کی میزان میں گستاخی نہیں بنتے، ان کی بنا پر بھی ارضِ پاک میں جا بجا ظلم و بربریت کے بازار گرم کیے جاتے ہیں، جو شیلے ہم نواؤں کے جلو میں فقیہانِ کج فہم کسی مسلمان پر چڑھ دوڑتے ہیں اور اسے کافر اور گستاخ

کہہ کر موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے، لہٰذا کسی بھی شخص کی تکفیر کے لیے ضروری ہے کہ جس عمل کی بنا پر اسے کافر کہا جا رہا ہے، شرعی لحاظ سے وہ عمل واقعتاً کفر ہو۔

تکفیرِ مسلم کے بھیانک نتائج:

''اگر کوئی شخص کسی مسلمان آدمی کو جان بوجھ کر کافر کہہ دے، تو کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔''[1]

کیونکہ یہ معاملہ نہایت ہی سنگین ہے، کسی بھی شخص کو کافر قرار دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی جان و مال و آبرو کچھ بھی محفوظ نہیں رہی، یعنی مسلمانوں کے لیے اسے قتل کرنا اور اس کا مال لوٹنا جائز ہو گیا ہے۔ اسی بنا پر آپ دیکھتے ہیں کہ جو لوگ پاکستانی حکام، عدلیہ، افواج اور پولیس وغیرہ کو کافر کہتے ہیں، وہ انھیں قتل کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور ان کا مال لوٹنے کے لیے اغوا برائے تاوان تو ان کا پسندیدہ مشغلہ بن چکا ہے۔ آئے روز ایسے واقعات سامنے آتے ہیں کہ فلاں جگہ بم دھماکا ہوگیا، فلاں جگہ خودکش حملہ ہو گیا، فلاں شخص کو تحریکِ طالبان نے اغوا کرکے نامعلوم مقام پر پہنچا دیا اور اس کی رہائی کے عوض اتنی رقم کا مطالبہ رکھ دیا ہے، یعنی تکفیر کا فتنہ ایسا خطرناک فتنہ ہے جو موجودہ دور کے تمام تر فتنوں سے زیادہ سنگین اور خطرناک ہے۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (6103)

تکفیر سے متعلق چند مسائل

اسلامی ملکوں میں تنظیم سازی:

سوال جہاں مسلمان حکومتیں موجود ہوں اور وہ اپنے فرائض بخوبی سر انجام دے رہی ہوں، وہاں عوام کے لیے الگ سے اپنی اپنی جماعت کھڑی کرنا اور تنظیم بنانا جائز ہے؟

جواب کسی بھی ملک میں پائی جانے والی تنظیمیں یا جماعتیں تین طرح کی ہوتی ہیں:

1. حکومت کی اپنی قائم کردہ۔
2. حکومت کی اجازت سے قائم کردہ۔
3. حکومت کی مخالفت میں قائم کردہ۔

ہر حکومت اپنے ملک کا نظم وضبط چلانے کے لیے مختلف ادارے یا تنظیمیں یا جماعتیں بناتی ہے، جیسے: فوج، عدالت اور پولیس وغیرہ کے ادارے ہیں۔ ان اداروں کے اہلکار حکومت کے باقاعدہ ملازم شمار کیے جاتے ہیں اور حکومت ان کی معاشی ضرورت پورا کرنے کے لیے انھیں سہولیات اور وظائف دیتی ہے۔

انھی جماعتوں یا اداروں میں جب کام بڑھ جائے، لیکن حکومت کے غریب ہونے کی وجہ سے مزید ملازمین کو بھرتی نہ کیا جا سکے تو حکومت ایسے متبرعین (رضا کاروں) کو بھرتی کرتی ہے جو مفت ہی میں ان اداروں میں کام

سرانجام دیں یا انتہائی معمولی معاوضے پر کام کریں۔

جن علاقوں میں حکومت زیادہ ہی غریب ہوتی ہے، وہاں کی حکومت اپنے عوام کو یہ اجازت دیتی ہے کہ خیر اور بھلائی کے کاموں کو منظّم طریقے سے سرانجام دینے کے لیے تنظیم سازی کریں اور اپنی تنظیم یا جماعت یا ادارے کے لیے حکومتی اجازت کا سرٹیفکیٹ حاصل کریں، یعنی رجسٹریشن کرائیں۔ یہ تنظیمیں حکومت کی اجازت سے، بلکہ بہت حد تک حکومت کی خواہش پر بنتی ہیں اور حکومتی راہنمائی میں اپنا کام سرانجام دیتی ہیں۔ حکومت ایسی تنظیموں کے لیے ایک دائرۂ عمل متعین کرتی ہے اور وہ جماعت اس دائرے میں رہ کر کام کرتی ہے۔ اگر کوئی جماعت اس دائرے سے باہر نکلنے لگے تو فوراً اسے لگام دے دی جاتی ہے۔

چونکہ یہ غیر سرکاری ادارے یا غیر سرکاری جماعتیں یا غیر سرکاری تنظیمیں ہوتی ہیں، سو یہ حکومت پر کسی طرح بھی بوجھ نہیں ہوتیں، وہ اپنے ملک کے عوام سے ہی چندہ جمع کرکے، ایسے کام سرانجام دیتی ہیں، جو حکومت کے کرنے کے ہوتے ہیں، لیکن حکومت اپنی تنگ دستی کی بنا پر وہ کام کرنے سے قاصر ہوتی ہے۔ ان کے اس رضا کارانہ عمل پہ حکومت ان سے راضی ہوتی ہے اور حتی المقدور ان کے لیے آسانیاں مہیا کرتی ہے۔

یہ دونوں قسم کی جماعتیں: (1) حکومت کی اپنی تیار کردہ جماعتیں اور (2) حکومتی اجازت سے بننے والی جماعتیں بنیادی طور پہ حکومت ہی کی جماعتیں ہوتی ہیں، کیونکہ پہلی قسم کے ادارے حکومت کے ملازم اور تنخواہ دار ہوتے ہیں، جب کہ دوسری قسم کے ادارے رضا کارانہ طور پہ حکومت کے مدد و معاون ہوتے ہیں۔

دینِ اسلام ایسی جماعتوں کو سراہتا ہے، ان پہ نقد نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ((الدِّينُ النَّصِيحَةُ)) ''دین خیر خواہی ہی کا نام ہے۔''

پوچھا گیا: کس کے لیے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ)) [1]

''اللہ کے لیے، اس کے رسول ﷺ کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔''

تو حکومتیں اپنی خیر خواہی کے لیے پہلی قسم کے ادارے خود تیار کرتی ہیں اور دوسری قسم کے ادارے حکومتی خیر خواہی کی خاطر ملک کے عوام تیار کرتے ہیں، حکومت اپنے فائدے کی خاطر انھیں قبول کرتی ہے اور باقاعدہ اجازت نامہ، یعنی رجسٹریشن جاری کرتی ہے۔

جو تیسری قسم کی تنظیمیں ہیں، یعنی حکومت کی مخالفت میں بنائی جانے والی تنظیمیں، خواہ وہ اسلام کے نام پر بنیں یا محض حکومت سے اقتدار چھیننے اور بغاوت کی غرض سے معرضِ وجود میں، پھر اور اسلام کے نام پہ بننے والی تنظیمیں، خواہ حکومت کے خلاف مسلح جد و جہد کریں یا مسلم حکام کے خلاف محض لوگوں کی ذہن سازی کریں، بہرصورت اسلام انھیں قبول نہیں کرتا اور ایسی تنظیموں کو پنپنے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ ایسے تمام تر اقدامات جو حکومت کو گرانے، حکومتی عمل میں رکاوٹ پیدا کرنے یا حکومت کو کمزور کرنے کے لیے ہوں، اسلامی اصطلاح میں بغاوت یا خروج کہلاتے ہیں اور دینِ اسلام میں اس کی سختی سے ممانعت ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (55)

غیر مسلم کو کافر کہنا:

سوال ایک نوجوان جو قرآن کی تفسیر کے حوالے سے آج کل مغربی ممالک میں بڑا مشہور ہے؛ ''نعمان علی خان'' ان کا کہنا ہے کہ ہر غیر مسلم کو کافر کہنا درست نہیں۔ دلیل کے طور پر اس نے بتایا کہ قرآن میں غیر مسلموں کے لئے مختلف الفاظ آئے ہیں، صرف کافر کے نہیں۔ یوں وہ کافر اور غیر مسلم میں کچھ فرق سمجھانا چاہتا ہے، تاکہ مسلمان ہر غیر مسلم کو کافر کہہ کر اس سے بدسلوکی نہ کریں، اس کی یہ بات کس حد تک درست ہے؟

جواب اسلام کے مقابل صرف اور صرف کفر ہی ہے، اس کے سوا کچھ بھی نہیں، لہٰذا غیر مسلم کا مطلب بھی کافر ہی ہوتا ہے، خواہ اسے کوئی بھی نام دے دیا جائے، مثلاً: یہودی، عیسائی، اہلِ کتاب، ہندو، مجوسی اور سکھ وغیرہ یہ سب کافر اور غیر مسلم ہیں۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ ہر کافر یا غیر مسلم کے ساتھ بدسلوکی کی اجازت اسلام میں موجود نہیں ہے۔ اسلام نے تو بعض کفار کے ساتھ حسنِ سلوک سے بھی منع نہیں کیا۔

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ﴾ [الممتحنة: ٨]

''اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

پھر جن کافروں کے ساتھ دلی دوستی لگانا منع ہے، ان کا ذکر اللہ تعالی نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيٰرِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾ [الممتحنة: ٩]

''اللہ تو تمھیں انہی لوگوں سے منع کرتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو۔ اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

غیر مسلم سے ہمارا سلوک کیسا ہو؟

سوال کیا ہر غیر مسلم سے دلی نفرت یا اس کے ساتھ شدت والا معاملہ رکھنا فرض ہے یا صرف حربی کافر کے ساتھ؟ اور اس بات کا کیسے تعین کیا جائے کہ کسی خاص غیر مسلم کے ساتھ دعوتی انداز (نرمی اور حسنِ سلوک) اپنایا جائے یا اسے اللہ کا دشمن سمجھ کر شدت کا معاملہ رکھا جائے؟

جواب ہر کافر یا غیر مسلم کے ساتھ بدسلوکی کی اجازت اسلام میں موجود نہیں ہے۔ دعوت کے لیے تو اچھا انداز اپنانے کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو انھیں نصیحت فرمائی:

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝﴾ [طٰهٰ: ٤٣، ٤٤]

''دونوں فرعون کے پاس جاؤ، بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے۔ پس

اس سے بات کرو، نرم بات، اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کر لے، یا ڈر جائے۔''

یعنی فرعون جیسے سرکش انسان کو بھی اللہ تعالی نے نرمی کے ساتھ دعوت دینے کا حکم دیا ہے اور آج کے کفار فرعون سے زیادہ سرکش نہیں، کیوں کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے رب ہونے کا دعویدار نہیں ہے۔ اسی طرح رب العالمین نے نصیحت فرمائی ہے:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٢٥﴾ ﴾ [النحل: ١٢٥]

''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا اور ان سے اس طریقے کے ساتھ بحث کرو جو سب سے اچھا ہے۔ بے شک تیرا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے گمراہ ہوا اور وہی ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔''

جنگ کرنے والے غیر مسلم ممالک کے عوام سے ہمارا سلوک:

سوال کیا امریکی یا فرانسیسی افواج مسلمان ملکوں کے ساتھ اگر جنگ میں ہوں تو کیا وہاں کے عوام کے ساتھ دشمنی رکھی جائے گی، یہ مدِنظر رکھتے ہوئے کہ وہاں جمہوری نظام ہے اور انہی لوگوں کے ووٹ سے ایسی پالیسی وجود میں آئی؟

جواب حربی کفار کے ساتھ بغض اور دشمنی رکھنا روا ہے، لیکن اس دشمنی کا یہ مطلب نہیں کہ حربی کافر ملک کے تمام تر افراد کو قتل کرنے کی بھی اجازت ہے، بلکہ اسلام نے تو میدانِ جنگ میں بھی حربی ملک کے کافر عوام کو قتل

کرنے سے منع کیا ہے اور صرف ان لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے جو ہتھیار اٹھاتے اور مقابلے میں اترتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو اسے اللہ سے ڈرتے رہنے اور مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی نصیحت کرتے، پھر فرماتے:

((اُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰہ فِيْ سَبِيلِ اللّٰہ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰہ، اُغْزُوا وَلَا تَغُلُّوْا، وَلَا تَغْدِرُوْا، وَلَا تَمْثُلُوْا، وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيدًا))[1]

''اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کے راستے میں لڑو اور جو اللہ کے ساتھ کفر کرتا ہے اس کے خلاف لڑو، جہاد کرو اور خیانت نہ کرو، اور عہد شکنی نہ کرو، اور مثلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب شام کی طرف لشکر بھیجا تو سیدنا یزید بن سفیان رضی اللہ عنہما کو دس نصیحتیں فرمائیں:

''لَا تَقْتُلَنَّ امْرَأَةً، وَلَا صَبِيًّا، وَلَا كَبِيرًا هَرِمًا، وَلَا تَقْطَعَنَّ شَجَرًا مُثْمِرًا، وَلَا تُخَرِّبَنَّ عَامِرًا، وَلَا تَعْقِرَنَّ شَاةً، وَلَا بَعِيرًا، إِلَّا لِمَأْكَلَةٍ، وَلَا تُغَرِّقَنَّ نَحْلًا وَلَا تُحْرِقَنَّه، وَلَا تَغْلُلْ، وَلَا تَجْبُنْ''[2]

''کسی عورت، بچے یا انتہائی بوڑھے کو قتل نہ کرنا، اور پھل دار درخت نہ کاٹنا، آباد جگہ کو خراب نہ کرنا، کسی بکری یا اونٹ کو نہ مارنا، ہاں کھانے کے لیے ذبح کر سکتے ہو، کھجوریں ضائع نہ کرنا اور نہ ہی جلانا اور خیانت نہ کرنا، اور بزدلی نہ دکھانا۔''

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (1731) سنن أبي داود، رقم الحديث (2613)

[2] موطأ الإمام مالك (918)

پھر اگر کسی حربی کافر کو کوئی بھی مسلمان پناہ دے دے تو اسے قتل کرنا کبیرہ گناہ بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ، يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ))[1]

''مسلمانوں کا ذمہ (امان) ایک ہی ہے۔ ان میں سے ادنیٰ شخص بھی کسی کو امان دے سکتا ہے اور جس نے بھی کسی مسلمان کی امان کو توڑا تو اس پر اللہ تعالی کی، فرشتوں کی اور تمام تر لوگوں کی لعنت ہو، اس سے کوئی فرضی یا نفلی عبادت قبول نہ کی جائے گی۔''

جس کافر کو مسلمانوں کا ادنیٰ شخص نہیں، بلکہ مسلمانوں کا ذمے دار شخص، کوئی مسلمان حاکم وغیرہ، امان دے دے اور پھر اسے کوئی قتل کر دے تو قاتل کو اپنے انجام کار کی فکر کرنی چاہیے۔

اسی طرح کفار کے سفیر کو بھی قتل نہیں کیا جا سکتا۔ جب مسیلمہ کذاب نے اپنے دو قاصد نبی مکرم ﷺ کے پاس بھیجے اور آپ ﷺ نے اس کا خط پڑھا تو ان سے پوچھا: تم دونوں کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم بھی وہی کہتے ہیں، جو وہ کہتا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَمَا وَاللّٰهِ لَوْ لَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا))[2]

''اللہ کی قسم! اگر یہ اصول نہ ہوتا کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (3179)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (2761)

تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔‘‘

یعنی ان کافروں کے خلاف غیظ و غضب کتنا شدید تھا، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اصولوں کی پاسداری فرمائی کہ سفیر کو قتل کرنا درست نہیں، سو انھیں قتل نہیں کیا گیا۔

’’ولاء‘‘ اور ’’تولی‘‘ میں فرق:

سوال ’’ولاء‘‘ اور ’’تولی‘‘ میں کیا فرق ہے؟ کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے حکمران اور افواج کافر ہیں یا مسلمان؟

کافروں کے ساتھ مل کر لڑنے والے مسلم حکمرانوں کو کافر قرار دینے کے لیے آیت: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ [المائدۃ: ۵۱] پیش کی جاتی ہے۔ کیا یہ درست استدلال ہے؟

جواب کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے قتال کرنے سے کوئی بھی شخص کافر نہیں ہوتا، وہ حاکم ہو یا فوجی۔ یہ عمل ولاء میں تو شامل ہے، لیکن تولی میں نہیں۔

ابوعمرو عبدالحکیم کی مشہور تصنیف "التبیان"، جس کا اردو ترجمہ ’’دوستی دشمنی کا معیار‘‘ کے نام سے تکفیری حضرات بہت زور وشور سے پھیلا رہے ہیں اور اسی کتاب کو اپنے موقف کی وضاحت کے لیے حرفِ آخر کہتے ہیں۔ آج ہم قارئین کے سامنے اسی کتاب کے صفحہ نمبر 58 سے 61 تک اقتباس پیش کریں گے کہ کفار سے دوستی کب انسان کو کافر بناتی ہے اور کب صرف گنہگار بناتی ہے۔

لفظ "المُوَالَاةِ" اور "التَّوَلِّي" میں ایک دقیق فرق

یہاں ایک بڑا لطیف علمی نکتہ سمجھنے کے قابل ہے کہ عربی زبان میں دوستی

کے لیے ایک لفظ ''المُوَالَاۃ'' استعمال ہوتا ہے اور ایک لفظ ''التَّوَلِّيْ'' مستعمل ہے۔ لفظ موالات تو قربت، نزدیکی، پیروی، مدد، تعاون، محبت، دوستی اور غلامی وغیرہ کے معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن لفظ ''التَّوَلِّيْ'' بطورِ خاص صرف اور صرف دو معانی: پیروی اور نصرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہی وہ معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں وارد ہوا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بارے میں فرمایا:

﴿ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ ﴾ [الحج: ٤]

''اس پر لکھ دیا گیا ہے کہ بے شک واقعہ یہ ہے کہ جو اس سے دوستی کرے گا تو یقیناً وہ اسے گمراہ کرے گا اور اسے بھڑکتی ہوئی آگ کا راستہ دکھائے گا۔''

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں ﴿ مَنْ تَوَلَّاهُ ﴾ کا معنی یہ ہے کہ جو اس کی پیروی کرے گا۔ لفظ ''التَّوَلِّيْ'' کا دوسرا مخصوص معنی ''مدد و نصرت'' اللہ تعالیٰ کے ایک دوسرے فرمان میں وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيٰرِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ [الممتحنة: ٩]

''اللہ تو تمھیں انھی لوگوں سے منع کرتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو۔ اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں بھی ﴿ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ کا معنی یہ ہے کہ تم ان کی مدد ونصرت کرو اور جو شخص بھی ان کی مدد ونصرت کرے گا تو یہی لوگ ظالم ہوں گے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ایک مقام پر ''التَّوَلِّيْ'' مدد ونصرت کے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾

[الممتحنة: ١٣]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کو دوست مت بناؤ جن پر اللہ غصے ہو گیا۔''

اس آیتِ کریمہ میں ﴿ لَا تَتَوَلَّوْا ﴾ کا معنی ہے کہ تم دوستی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں اپنا ایک خصوصی وصف بیان کیا ہے کہ میں مومنوں کا حامی اور مددگار رہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗــــُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ [البقرة: ٢٥٧]

''اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے، وہ انھیں اندھیروں سے نکال کے روشنی کی طرف لاتا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے دوست باطل معبود ہیں، وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لاتے ہیں، یہ لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

آیت میں بھی ﴿ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں ۔ ان الفاظ کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود مددگار ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ہیں۔ لہٰذا اس آیت میں ﴿ وَلِیُّ ﴾ کا معنی مددگار ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں ﴿ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ﴾ کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ ان الفاظ کا معنی ہے کہ وہ لوگ جو کافر ہیں ان کے مددگار طاغوت ہیں۔ اس آیت میں اولیاء کا معنی زیادہ تعداد میں مددگار ہے۔ علی ہذا القیاس اللہ تعالیٰ کے کلام پاک قرآنِ مجید میں ایک اور مقام پر بھی یہ لفظ مددگار کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ۝٤ ﴾ [التحریم: ٤]

”تو یقیناً اللہ خود اس کا مددگار ہے اور جبریل اور صالح مومن اور اس کے بعد تمام فرشتے مددگار ہیں۔“

مذکورہ آیت میں لفظ ﴿ مَوْلٰىهُ ﴾ کا معنی اس کا مددگار ہے۔ نیز قرآن مجید کے ایک اور مقام پر بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور وہاں بھی یہ مددگار کے معنی ہی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴾

[محمد: ١١]

”یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے اور اس لیے کہ بے شک جو کافر ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں۔“

آیتِ کریمہ میں بھی لفظِ مولیٰ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔ دونوں جگہ اس کا

معنی مددگار اور کارساز ہے۔ یہ چند آیات بطورِ مثال ذکر کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ جہاں جہاں بھی یہ لفظ وارد ہوا ہے، اکثر و بیشتر اِسی معنی میں ہے۔ مذکورہ بالا ساری گفتگو کا لب ولباب یہ ہے کہ لفظ "التَّوَلِّيْ" لفظ "المُوَالَاة" سے زیادہ خصوصیت کا حامل ہے۔ "التَّوَلِّيْ" کا مطلب یہ ہے کہ علی الاطلاق غیر مشروط طور پر پیروی اور فرمانبرداری کرتے جانا اور پوری پوری مدد و نصرت کرنا۔ نیز گفتگو سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "التَّوَلِّيْ" اور "المُوَالَاة" کے درمیان عموم اور خصوص کی نسبت ہے۔

"التَّوَلِّيْ" اور "المُوَالَاة" کے مابین بیان کیے گئے اِسی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے الشیخ عبداللہ بن عبداللطیف رقم طراز ہیں:

"اَلتَّوَلِّي كُفْرٌ يُخرِجُ مِنَ المِلَّةِ وَ هُوَ كَالذَّبِّ عَنْهُمْ وَ إِعَانَتِهِمْ بِالْمَالِ وَالْبَدْنِ وَالرَّأْيِ، وَالمُوَالَاةُ كَبِيْرَةٌ مِنَ الْكَبَائِرِ، كَبَلِّ الدَّوَاةِ وَ بَرِيِ الْقَلَمِ وَالتَّبَشُّشِ أَوْ رَفْعِ السَّوْطِ لَهُم"

''کافروں کے ساتھ تولی والا تعلق واضح کفر ہے جو ملتِ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، مثلاً: کافروں کا بھرپور دفاع کرنا۔ نیز دامے درمے، سخنے اور قدمے ان کا پورا تعاون کرنا۔ جب کہ کافروں سے موالات جیسا دوستانہ تعلق اگرچہ ملتِ اسلامیہ سے نکالنے والا کفر نہیں، مگر وہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے، مثلاً: کافروں کی خاطر اپنے قلم و قرطاس کو حرکت میں لانا اور ان کی پالیسیوں کی حمایت میں مضامین (Articles) تحریر کرنا۔ کافروں کو خوش کرنے

کے لیے ان کی خاطر بچھ بچھ جانا اور صدقے واری جانا۔ مسلمانوں کے خلاف پولیس، اور فوج کو حرکت میں لے آنا اور گولی و بندوق کا رخ مسلمانوں کی طرف کر دینا۔ یہ سب اعمال کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔''[1] انتھیٰ

اس اقتباس میں آپ نے تکفیریوں ہی کی کتاب میں بڑی وضاحت کے ساتھ پڑھ لیا ہے کہ کافروں سے تولی والا تعلق واضح کفر ہے، یعنی ان کا بھرپور دفاع کرنا، جب کہ کافروں سے موالات جیسا دوستانہ تعلق انھیں اسلام سے خارج نہیں کرتا، بلکہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب کر دیتا ہے، اور اس کی مثالیں بھی دی ہیں جیسے کافروں کی خاطر اپنا قلم اور قرطاس چلانا، کفار کو خوش کرنے کے لیے بچھ بچھ جانا اور کفار کی خاطر مسلمانوں کے خلاف تلوار، بندوق یا گولی چلانا؛ یہ سب اعمال موالات میں شامل ہیں اور یہ کام انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کرتے، بلکہ گناہ گار کرتے ہیں۔

کیا غیر مسلم حکمران کی مدد کرنے والا مسلمان حکمران کافر ہے؟

سوال بعض لوگ کہتے ہیں کہ جتنے بھی اسلامی ممالک کے حکمران ہیں وہ کافر ہیں، کیوں کہ وہ کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو مارتے ہیں۔ تفصیل سے دلائل کے ساتھ جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیرا.

جواب مسلمان کسی کافر کے ساتھ مل کر یا اکیلا ہی کسی بھی مسلمان کو قتل کرے تو اس کا یہ عمل یعنی ''قتلِ مسلم'' اسے دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کرتا، کیونکہ

[1] ''التبیان''، ترجمہ: ''دوستی دشمنی کا معیار'' از ابو عمر و عبدالحکیم حسان (صفحہ: 58-61)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾

[الحجرات: ۹]

''اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو۔''

اللہ نے دونوں گروہوں کو مومن کہا ہے جب کہ دونوں ایک دوسرے کو قتل کرنے والے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان میں سے کوئی ایک حق پر ہوگا اور دوسرا نہیں، یا کوئی ایک حق کے زیادہ قریب ہوگا اور دوسرا کم۔

پھر کافروں اور مسلمانوں کا مل کر کسی مسلمان کے خلاف لڑنا مختلف طرح سے ہوتا ہے:

1. اصلاً لڑنے والا مسلمان ہے، کافر اپنے کسی مفاد کی خاطر شامل ہوا۔
2. اصلاً لڑنے والا کافر اور مسلمان دونوں ہیں، اس میں دونوں ہی کے اپنے اپنے مفادات اور مقاصد ہیں۔
3. اصلاً لڑنے والا کافر ہے اور مسلمان کافر کے ساتھ کافر کو دھوکا دینے کی غرض سے شامل ہوا ہے۔
4. اصلاً لڑنے والا کافر ہے جس کا مقصود ملتِ اسلامیہ کا خاتمہ ہے اور کلمہ گو لوگ اسلام کو مٹانے میں کافر کا ساتھ دیں۔

پہلی تین صورتوں میں مسلمان کافر نہیں ہوگا، جب کہ چوتھی صورت میں خواہ وہ لڑے یا نہ لڑے، کافر ہو جائے گا۔

یہ چوتھی صورت آج تک کہیں بھی پیدا نہیں ہوئی کہ کوئی مسلم حکمران ہو

اور وہ اسلام کو مٹانے میں کفار کا ساتھ دے۔

شریعت سازی کرنے والے مسلمان حکمران کا حکم:

سوال شریعت سازی کرنے والے مسلم حکمران کا کیا حکم ہے؟ مثلاً: جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دے؟

جواب اللہ سبحانہ وتعالی نے قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ایسے لوگوں کے لیے تین مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں، جو شریعت کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾

[المائدة: ٤٤]

''اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔''

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾

[المائدة: ٤٥]

''اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

[المائدة: ٤٧]

''اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔''

یعنی خلافِ شریعت فیصلہ کرنے والے کافر یا ظالم یا فاسق، یعنی گناہ گار ہوتے ہیں، لہٰذا ہر ایسے شخص کو جو خلافِ شریعت فیصلہ کرے، کافر قرار دے دینا

درست نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کو تین مختلف نام دیے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں سے کس قسم کے افراد خلافِ شرع فیصلہ کرنے کی بنا پر کافر بنتے ہیں اور کون سے لوگ ہیں جو ظالم یا فاسق ٹھہرتے ہیں۔

اس دوران میں یہ بات بھی خاص توجہ طلب ہے کہ اللہ رب العالمین نے حکمران، قاضی، فقیہ یا کسی عامی کے مابین فرق نہیں کیا، بلکہ تمام تر انسانوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، یعنی کافر، ظالم اور فاسق، لہٰذا کسی بھی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والا شخص کیوں نہ ہو، وہ خلافِ شریعت فیصلہ کرنے کی بنا پر کافر بھی ہوسکتا ہے، ظالم بھی ہوسکتا ہے اور فاسق بھی۔ پھر فیصلوں میں اللہ تعالی نے یہ فرق نہیں کیا کہ کس شعبۂ زندگی سے متعلق فیصلہ کفر ہے، یعنی فیصلہ خواہ عقائد سے متعلق ہو، عبادات سے متعلق ہو، معاملات سے تعلق رکھتا ہو یا حدود اللہ کے بارے میں ہو، بہر صورت وہ کفر بھی ہوسکتا ہے، ظلم بھی اور فسق یعنی گناہ بھی!

امام الانبیاء جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں بھی لوگ خلافِ شرع فیصلہ کر لیتے تھے۔ کبھی اپنی ذات کے لیے تو کبھی کسی دوسرے شخص کے بارے میں، ان فیصلوں میں سے اکثر کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ظلم یا فسق ہی قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿82﴾ ﴾ [الأنعام: ٨٢]

”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے یے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔“

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہم میں کون ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ظلم سے مراد شرکِ اکبر ہے۔''[1]

یعنی اللہ تعالیٰ کی معصیت، خواہ کسی بھی پیمانے پر ہو، وہ ظلم قرار پاتی ہے، لیکن اگر یہ نافرمانی شرکِ اکبر کی صورت میں ہو تو انسان کو ملتِ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی غلطیوں کا اعتراف فرما رہے ہیں کہ بتقاضائے بشریت ہم سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے اور اسے انھوں نے لفظِ ظلم سے تعبیر کیا۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جس نے اپنی لونڈی کو ناجائز سزا دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سمجھایا تو اس نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا تھا۔[2] اب اس شخص کی حیثیت اپنی لونڈی کے لیے ایک حکمران کی سی تھی، لیکن اس نے اپنی لونڈی کو سزا دینے کا جو غلط فیصلہ کیا، وہ کفر نہیں تھا، بلکہ ظلم تھا۔ ایسے ہی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حجِ تمتع (حج اور عمرہ اکٹھا) کرنے سے منع کر دیا تھا۔[3] یہ فیصلہ بھی یقیناً درست نہ تھا اور انھوں نے بعد میں اس سے رجوع بھی فرما لیا تھا۔

اسی قسم کے اور بھی بہت سے فیصلے ایسے ملتے ہیں جو شرعی احکامات کے منافی تھے، لیکن فیصلہ صادر کرنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر قرار دیا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی نے ان پر کوئی ایسا فتوی لگایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (6973)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (537)

[3] جامع الترمذي، رقم الحديث (823)

بسا اوقات انسان لاعلمی، اجتہادی غلطی، کسی مصلحت یا لالچ کے تحت غلط فیصلہ کر بیٹھتا ہے تو وہ کفر نہیں ہوتا۔

اسی بنا پر علمائے اسلام نے بھی متفقہ طور پر یہ بات کہی ہے کہ جب کوئی شخص خلافِ شریعت فیصلہ کرتے ہوئے یہ سمجھے کہ اس کا فیصلہ شریعت سے بہتر ہے، تو ایسا آدمی کافر ہو جاتا ہے اور ملتِ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص شرعی فیصلے کو بہتر اور افضل سمجھتا ہو، لیکن کسی سے انتقام لینے کی خاطر خلافِ شرع فیصلہ دے دے تو وہ کافر نہیں، بلکہ ظالم ہوگا اور اگر کسی کی محبت یا رشوت وغیرہ کے لالچ میں اسے فائدہ پہنچانے کی خاطر وہ شریعت کے مخالف فیصلہ کرے تو وہ فاسق ہوگا۔

الاخوان المسلمون کا منہج:

سوال اخوان المسلمین کیسی جماعت ہے؟

جواب الاخوان المسلمون ایک منحرف منہج کی حامل جماعت ہے، جو خلافت کے نام پر کھڑی ہوئی ہے اور اس کا مقصد اسلامی نظام نہیں، بلکہ حکومت کا حصول ہے۔ اس کی واضح دلیل چند سال قبل مصر میں الاخوان کا اقتدار میں آنا اور صحیح المنہج جماعتوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنا، ایران و اسرائیل کے ساتھ اپنے مراسم بڑھانا اور حصولِ اقتدار کے باوجود اسلامی نظام کے نفاذ سے یہ کہہ کر انکار کرنا ہے کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔

تکفیری کون ہے؟

سوال تکفیری کسے کہا جاتا ہے اور تکفیری کون لوگ ہوتے ہیں؟

جواب ہر مسلمان کسی نہ کسی کی تکفیر ضرور کرتا ہے۔ محض کسی کو کافر قرار دے دینے سے کوئی تکفیری نہیں بن جاتا۔ جب ہم کسی کے لیے لفظ: ''تکفیری'' یا ''فتنۂ تکفیر'' استعمال کرتے ہیں تو اس وقت تکفیر مطلق کی بات عموماً نہیں ہوتی، بلکہ یہ الفاظ تکفیرِ معین کے حوالے سے بولے جاتے ہیں یا پھر کبھی کبھار تکفیرِ مطلق سے متعلق بھی ہوتے ہیں۔

عموماً ان سے مراد تکفیرِ معین ہی ہوتی ہے، یعنی ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص کی معین تکفیر کرے، جب کہ اس نے کوئی کفریہ کام بھی نہ کیا ہو یا اگر کفریہ کام کیا ہو تو تکفیرِ معین کے اصول وقوانین کو ملحوظ رکھے بغیر وہ اس معین شخص کو کافر قرار دے دے تو اس تکفیر کرنے والے کو تکفیری یا فتنۂ تکفیر میں مبتلا قرار دیا جاتا ہے۔

ہاں اگر اس شخص پر تکفیرِ معین کے اصول وقوانین کو ملحوظ رکھ کر اس کی معیناً تکفیر کی جائے تو ایسا کرنے والا تکفیری نہیں کہلائے گا۔ اور جب کبھی اس سے مراد تکفیرِ مطلق ہوتی ہے تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ کسی ایسے کام کو کفریہ کام قرار دے کر مطلقاً تکفیر کی جارہی ہے جس کا کفر ہونا کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے۔

تکفیرِ مطلق اور تکفیرِ معین میں فرق:

سوال تکفیرِ معین اور تکفیرِ مطلق میں کیا فرق ہے؟ نیز یہ کہنا کہ وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والے تمام دیوبندی اور بریلوی کافر ہیں، تکفیرِ مطلق ہے یا تکفیرِ معین؟

جواب آپ کا یوں کہنا کہ وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والے تمام دیوبندی اور بریلوی کافر ہیں، تکفیرِ مطلق ہے نہ کہ تکفیرِ معین۔

تکفیرِ مطلق کسی خاص کفریہ فعل کی بنا پر ہوتی ہے، لیکن اس خاص فعل کا

مرتکب خاص شخص اس وقت تک کافر قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک اس میں تکفیر کی شرطیں پوری نہ ہو جائیں اور موانع ختم نہ ہو جائیں، لہٰذا پہلے تکفیرِ مطلق اور تکفیرِ معین کا فرق سمجھنا ضروری ہے۔

تکفیرِ مطلق:

کسی بھی فعل کو کتاب وسنت میں کفر یا دائرۂ اسلام سے خارج کرنے والا قرار دیا گیا ہو تو اس کے بارے میں کہنا کہ جس نے بھی یہ کام کیا وہ کافر ہے، تکفیرِ مطلق کہلاتا ہے، مثلاً: اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنا انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالی کا انکار کرنے سے بندہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم کہیں گے کہ جس نے بھی شرک کیا اس کا اسلام ختم ہوگیا اور جس نے بھی اللہ کا انکار کیا وہ کافر ہوگیا۔ اسے تکفیرِ مطلق کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسی تکفیر کی صورت میں جن افراد پر یہ تکفیر صادق آتی ہے، ان سے کفار والا معاملہ کیا جاتا ہے نہ ہی انھیں مرتد قرار دیا جاتا ہے، بلکہ انھیں مرتد قرار دینے کے لیے ان کی معیناً تکفیر کی جاتی ہے۔

تکفیرِ معین:

تکفیرِ معین یہ ہوتی ہے کہ کسی بھی ایسے کام کے مرتکب شخص کو، جس کام کو شریعت میں کفر یا شرک قرار دیا ہے، نام لے کر کافر قرار دینا، مثلاً: زید نے اللہ تعالی کی آیات کا مذاق اڑایا تو یہ کہنا کہ زید کافر ہے، اسے تکفیرِ معین کہا جاتا ہے اور اسلام میں کسی بھی شخص کی معیناً تکفیر کی جاسکتی ہے، لیکن اس کے لیے شریعتِ اسلامیہ نے کچھ اصول مقرر فرمائے ہیں جو گذشتہ صفحات میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

مزید تفصیل کے لیے رسالہ ''کافر کون؟'' کا مطالعہ کیجیے۔

کیا گستاخِ صحابہ کافر ہے؟

سوال کیا صحابہ کی گستاخی کرنے والا کافر ہے؟ نیز کیا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کرنے والے کافر نہیں ہو جاتے؟

جواب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کافر سمجھ کر ان کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ ذی شان ہے:

((إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ! فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا))[1]

''جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کہے: ''اے کافر!'' تو ان دونوں میں سے کوئی ایک اس (کفر) کے ساتھ لوٹتا ہے۔''

ہمارا ایمان ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کوئی کافر نہیں، لہٰذا انھیں کافر کہنے یا سمجھنے والا ہی کافر قرار پائے گا۔

شیعہ اور رافضیوں کی تکفیر:

سوال اہلِ تشیع اور رافضیوں کی تکفیر کس حد تک درست ہے؟ کیا ان کے عوام اور علما میں فرق کیا جائے گا؟ نیز ان سے ہمارا برتاؤ اور دنیاوی تعلقات کس حد تک ہونے چاہئیں؟

جواب اہلِ تشیع یا شیعہ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے، جن کے عقائد اور اہل السنۃ کے عقائد میں یہ فرق ہے کہ شیعانِ علی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (6103)

سے افضل سمجھتے ہیں، البتہ ان میں سے جو غالی شیعہ ہوتا ہے وہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الخلق سمجھتا ہے، یعنی ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما پر بھی سیدنا ابو تراب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتا ہے اور افضل سمجھتا ہے، جب کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں، ان کے بعد سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ان کے بعد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

شیعہ کا یہ اعتقاد جس میں وہ اہل السنۃ سے مختلف ہیں، بدعتِ صغریٰ کہلاتا ہے۔ وہ اپنے اس نظریے کی بنا پر اہل السنۃ سے تکفیر کے احکام میں بالکل مختلف نہیں ہیں، بلکہ جو حکم اہل السنۃ کے لیے ہے وہی شیعہ کے لیے بھی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنی اس بدعت کی طرف دعوت بھی دیتا ہے تو روایت کے میدان میں اس کی ایسی مرویات قابلِ قبول نہ ہوں گی جن سے اس کے اس تفضیل (علی رضی اللہ عنہ کو اصحابِ ثلاثہ پر فوقیت دینے) والے عقیدہ کی تائید ہو گی۔

لیکن جو لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ بغض رکھتے ہیں، ان پر سب وشتم کرتے ہیں، حتی کہ انھیں کافر تک قرار دیتے ہیں، انھیں رافضی کہا جاتا ہے اور ان کی یہ بدعت، بدعتِ کبریٰ کہلاتی ہے۔ اہل السنۃ کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہے، نہ ان کی کسی قسم کی روایت قبول کی جاتی ہے، کیوں کہ جھوٹ ان کا اوڑھنا بچھونا ہے اور تقیہ بازی ان کا شعار ہے۔ ان میں سے کوئی بھی شخص ثقہ یا مامون نہیں ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”جو شخص اپنے (کسی مسلمان) بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان دونوں (کہنے والے اور جس کو کہا گیا ہے) میں سے کوئی ایک کافر

ہو جاتا ہے۔''[1] صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان میں تو کوئی شک وشبہہ، بلکہ اس کی گنجایش تک نہیں ہے، لہٰذا انھیں کافر کہنے والا اس حدیث کی رو سے کفر کے ساتھ ہی لوٹتا ہے۔

رافضی علما ہوں یا عوام؛ سب کا حال ایک جیسا ہے۔ روافض میں بہت کم عوام ایسے ہیں جو اپنے حقیقی عقائد سے آشنا نہیں، چونکہ ان کی معین طور پہ تکفیر نہیں کی گئی، لہٰذا انھیں ملتِ اسلامیہ سے خارج کافر قرار دیا جائے گا نہ ان سے کافروں والا برتاؤ ہوگا۔ ہاں یہ بہت سی بدعاتِ کبری کے مرتکب اور کفریہ وشرکیہ عقائد کے حاملین ہیں، سو ان کے ساتھ برتاؤ اہلِ بدعت والا کیا جائے گا، لہٰذا ان سے نفرت کی جائے، بیزاری کا اظہار کیا جائے اور ہر ممکن طریقے سے ان سے دور رہا جائے۔

سلف کے نزدیک جہالت ایک عذر ہے:

سوال کیا سلف میں سے کسی نے جہالت کو تکفیر سے مانع قرار دیا ہے؟

آپ مسائلِ تکفیر میں عموماً سلف کے اقوال نقل نہیں کرتے، صرف قرآن و حدیث کی نصوص پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ان کا معنی سمجھا دیتے ہیں۔ یہ طریقہ بہت اچھا ہے مگر اب ان تکفیریوں کی طرف سے مطالبہ ہوا ہے تو امید ہے کہ آپ اسلاف، بالخصوص شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہما اللہ کے اقوال نقل کر کے اس مسئلے کی وضاحت فرمائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ ہمارے ہاں کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جہالت کو

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (6103)

تکفیر کے لیے مانع قرار دینا درست نہیں ہے، بالخصوص جب کوئی شخص مسلمانوں کے ملک میں رہتا ہو اور وہاں دینی تعلیمات عام میسر ہوں تو اس وقت جہالت کا عذر بالکل بھی باقی نہیں رہتا اور عقائد کے باب میں تو جہالت کبھی عذر نہیں بن سکتی، نہ ہی آج تک سلف میں سے کسی نے عقائد میں جہالت کو عذر گردانا ہے، لہٰذا عقیدے میں جہالت کو عذر قرار دینا ایک بدعی شرط ہے۔

براہ مہربانی اس اعتراض کا مفصل و مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

جواب کسی بھی مسلمان کے قول، فعل یا اعتقاد پر اس وقت تک اس کی تکفیر نہیں کی جاسکتی جب تک اس پر حجت قائم نہ کر دی جائے اور اس سے متعلقہ امور میں شبہات کو زائل نہ کر دیا جائے۔ تکفیر کے اصول وقوانین ہم نے گذشتہ صفحات میں اختصار کے ساتھ درج کر دیے ہیں۔

تکفیر کے ضوابط میں سے ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ جاہل کی تکفیر نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کی جہالت کو ختم کیا جائے گا، دلائل پیش کیے جائیں گے اور سمجھائے جائیں گے۔ جب یہ بات واضح ہو جائے کہ اس کی جہالت ختم ہو چکی ہے اور دلائل اس کی سمجھ میں آ چکے ہیں اور ان دلائل کے مقابل اس کے پاس کوئی معارض دلیل نہیں ہے جس کی بنا پر یہ ان دلائل کی تاویل نہ کر سکے تو پھر اس معین شخص کی تکفیر کی جاسکتی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا ﴾ [بني إسرائيل: ١٥]

''اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں، یہاں تک کہ کوئی پیغام پہنچانے والا بھیجیں۔''

نیز فرمایا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ [التوبة: ١١٥]

''اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ کسی قوم کو اس کے بعد گمراہ کر دے کہ انھیں ہدایت دے چکا ہو، یہاں تک کہ ان کے لیے وہ چیزیں واضح کر دے جن سے وہ بچیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

یعنی اللہ تعالی کا اصول ہے کہ جب تک لوگوں کو علم نہ ہو جائے اس وقت تک اللہ تعالی اپنے بندوں کو عذاب نہیں دیتا، یعنی جہالت کی وجہ سے اگر کوئی گناہ کا ارتکاب کر لے تو اسے سزا نہیں دی جائے گی۔ قرآن مجید میں اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ حدیثِ نبوی میں بھی جہالت کے عذر ہونے کا ثبوت موجود ہے:

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ شام سے واپس آئے تو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ اس پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تکفیر نہیں کی، بلکہ ان کو سمجھایا کہ ''سجدہ صرف اور صرف اللہ کے لیے ہے، غیر اللہ کے لیے سجدہ جائز نہیں ہے۔ ذیل میں یہ مکمل حدیث ملاحظہ کریں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ مُعَاذٌ مِنَ الشَّامِ سَجَدَ لِلنَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا هَذَا يَا مُعَاذُ؟ قَالَ: أَتَيْتُ الشَّامَ فَوَافَقْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِأَسَاقِفَتِهِمْ وَبَطَارِقَتِهِمْ، فَوَدِدْتُ فِي نَفْسِي أَنْ نَّفْعَلَ ذَلِكَ بِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: « فَلَا تَفْعَلُوا، فَإِنِّي لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِغَيْرِ اللّٰهِ،

لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا تُؤَدِّي الْمَرْأَةُ حَقَّ رَبِّهَا حَتّٰى تُؤَدِّيَ حَقَّ زَوْجِهَا، وَلَوْ سَأَلَهَا نَفْسَهَا وَهِيَ عَلَى قَتَبٍ لَمْ تَمْنَعْهُ)) [1]

''عبد اللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ جب معاذ رضی اللہ عنہ شام سے واپس آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: میں شام گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ لوگ اپنے پادریوں اور رؤسا کو سجدہ کرتے ہیں، مجھے اپنے دل میں یہ بات اچھی لگی کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ ایسا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایسا نہ کرو، اگر میں کسی کو اللہ کے سوا کسی کے لیے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، عورت اپنے رب کا حق اتنی دیر تک ادا نہیں کرسکتی، جب تک وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔ اگر شوہر اس سے خواہش کا اظہار کرے اور وہ اونٹ کے کجاوے پر بیٹھی ہو تو بھی اسے انکار نہ کرے۔''

اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ، وَلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ)) [2]

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (1853)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (153)

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اس امت میں سے کوئی بھی، خواہ وہ یہودی ہے یا عیسائی، میرے بارے میں سن لے، پھر جو کچھ مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اس پر ایمان نہ لائے تو وہ یقیناً آگ والوں میں سے ہوگا۔''

نیز ربیع بنت معوذ بن عفراء کہتی ہیں:

دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ غَدَاةَ بُنِيَ عَلَيَّ، فَجَلَسَ عَلَى فِرَاشِي كَمَجْلِسِكَ مِنِّي، وَجُوَيْرِيَاتٌ يَضْرِبْنَ بِالدَّفِّ، يَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِهِنَّ يَوْمَ بَدْرٍ، حَتَّى قَالَتْ جَارِيَةٌ: وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تَقُولِي هَكَذَا، وَقُولِي مَا كُنْتِ تَقُولِينَ» [1]

''میرے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے جب مجھے میرے شوہر کے ہاں پیش کیا گیا سو آپ، میرے بستر پر بیٹھ گئے جس طرح تم میرے قریب بیٹھے ہو، اس وقت لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور بدر میں اپنے شہید ہونے والے آبا و اجداد پر اشعار کہہ رہی تھیں کہ ان میں سے ایک کہنے لگی: ہمارے اندر ایسے نبی موجود ہیں جو آنے والے کل میں ہونے والے حالات جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہنا چھوڑ دے اور وہی کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک لڑکی نے اپنے آبا و اجداد کی مدح سرائی میں آپ ﷺ کی شان میں مبالغہ آمیزی کرتے ہوئے آپ ﷺ کے بارے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (4001)

میں دعویٰ کر دیا کہ آپ آنے والے دن کی باتیں جانتے ہیں۔ اللہ کے سوا کسی کے بارے میں علمِ غیب کا دعویٰ کرنا کفر ہے، لیکن آپ ﷺ نے اس کی جہالت کی وجہ سے اس کی تکفیر نہیں کی، صرف ممانعت پر ہی اکتفا کیا۔

لہٰذا اگر کوئی شخص کسی فعل یا قول کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ قول وفعل کفریہ ہے تو محض کفریہ قول وفعل کے ارتکاب کی بنا پر اسے کافر نہیں کہیں گے، جب تک اس میں تکفیر کی شروط نہیں پائی جاتیں اور تکفیر کے موانع کی نفی نہیں ہو جاتی۔ سلف صالحین نے بھی جہالت کے بارے میں یہی اصول متعین فرمایا ہے کہ جاہل شخص کی تکفیرِ معین نہیں کی جائے گی، جب تک اس کی جہالت رفع نہ ہو جائے۔

صحیح بخاری[1] میں ہے کہ ایک شخص نے مرنے سے قبل وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا اور میری راکھ آدھی دریا میں اور آدھی خشکی میں بکھیر دینا، کیوں کہ اگر اللہ نے مجھ پر قابو پا لیا تو ایسا سخت عذاب دے گا جو اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فَهَذَا إِنْسَانٌ جَهِلَ إِلَى أَن مَاتَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يقْدرُ علىٰ جَمْعِ رَمَادِه وَإِحْيائِهِ، وَقَدْ غُفِرَ لَهُ لِإِقْرَاره وَخَوْفه وَجهْلِهِ"[2]

''یہ وہ انسان ہے جو اپنے مرنے تک اس بات سے جاہل اور ناواقف رہا کہ اللہ تعالیٰ اس کی راکھ جمع کرنے اور اس کو زندہ کرنے پر قادر ہے، پھر اللہ نے اس کے اقرار، خوف اور جہالت کی وجہ سے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (6481)

[2] الفصل في الملل والأهواء والنحل: (140/3)

اسے معاف کر دیا۔‘‘

امام ابن حزم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

وَلَا خِلَافَ فِيْ أَنَّ امْرَءًا لَوْ أَسْلَمَ وَلَمْ يَعْلَمْ شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ فَاعْتَقَدَ أَنَّ الْخَمْرَ حَلَالٌ، وَأَنْ لَّيْسَ عَلَى الْإِنْسَانِ صَلَاةٌ، وَهُوَ لَمْ يَبْلُغْهُ حُكْمُ اللّٰهِ تَعَالَى لَمْ يَكُنْ كَافِرًا بِلَا خِلَافٍ يُعْتَدُّ بِهِ، حَتَّى إِذَا قَامَتْ عَلَيْهِ الْحُجَّةُ فَتَمَادَى حِينَئِذٍ بِإِجْمَاعِ الْأُمَةِ فَهُوَ كَافِرٌ‘‘[1]

’’اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کر لے اور وہ اسلام کے مقرر کردہ راستے نہیں جانتا تو اس نے عقیدہ بنا لیا کہ شراب حلال ہے اور انسان کے ذمے نماز نہیں ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں پہنچا تو وہ کافر نہیں ہوگا، اس میں کوئی قابلِ ذکر اختلاف نہیں ہے، یہاں تک کہ اس پر حجت قائم ہو جائے، پھر وہ سرکشی کرے تو اس بات پر اجماع ہے کہ وہ کافر ہے۔‘‘

امام ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’وَكَذَلِكَ كُلُّ جَاهِلٍ بِشَيْءٍ يُمْكِنُ أَنْ يَّجْهَلَهُ، لَا يُحْكَمُ بِكُفْرِهِ حَتّٰى يَعْرِفَ ذَلِكَ، وَتَزُولَ عَنْهُ الشُّبْهَةُ، وَيَسْتَحِلَّهُ بَعْدَ ذَلِكَ‘‘[2]

’’اسی طرح ہر وہ جاہل جس کا کسی چیز سے جاہل ہونا ممکن ہو، اس پر

[1] المحلیٰ (135/12)

[2] المغني لابن قدامة (12/9)

کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، یہاں تک کہ وہ اسے پہچان لے اور اس سے شبہہ زائل ہو جائے، پھر اس کے بعد وہ اس کو حلال جانے تو کافر ہو جائے گا۔‘‘

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’فَتَكْفِيرُ الْمُعَيَّنِ مِنْ هَؤُلَاءِ الْجُهَّالِ وَأَمْثَالِهِمْ بِحَيْثُ يُحْكَمُ عَلَيْهِ بِأَنَّهُ مِنَ الْكُفَّارِ لَا يَجُوزُ الْإِقْدَامُ عَلَيْهِ إِلَّا بَعْدَ أَنْ تَقُومَ عَلَى أَحَدِهِمُ الْحُجَّةُ الرَّسَالِيَّةُ الَّتِي يَتَبَيَّنُ بِهَا أَنَّهُمْ مُخَالِفُونَ لِلرُّسُلِ وَإِنْ كَانَتْ هَذِهِ الْمَقَالَةُ لَا رَيْبَ أَنَّهَا كُفْرٌ، وَهَكَذَا الْكَلَامُ فِي تَكْفِيرِ جَمِيعِ الْمُعَيَّنِينَ مَعَ أَنَّ بَعْضَ هَذِهِ الْبِدْعَةِ أَشَدُّ مِنْ بَعْضٍ، وَبَعْضُ الْمُبْتَدِعَةِ يَكُونُ فِيهِ مِنَ الْإِيمَانِ مَا لَيْسَ فِي بَعْضٍ، فَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يُكَفِّرَ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَإِنْ أَخْطَأَ وَغَلِطَ حَتّٰى تُقَامَ عَلَيْهِ الْحُجَّةُ وَتُبَيَّنَ لَهُ الْمَحَجَّةُ، وَمَنْ ثَبَتَ إِيمَانُهُ بِيَقِينٍ لَمْ يَزُلْ ذَلِكَ عَنْهُ بِالشَّكِّ؛ بَلْ لَا يَزُولُ إِلَّا بَعْدَ إِقَامَةِ الْحُجَّةِ وَإِزَالَةِ الشُّبْهَةِ‘‘[1]

’’ان جاہلوں اور ان جیسے دیگر لوگوں کی طرف سے کسی معین فرد کی تکفیر کرنا اور کہنا کہ وہ کافروں میں سے ہے، جائز نہیں ہے، اِلا یہ کہ ان میں سے ہر کسی پر رسالت کی وہ حجت قائم کی جائے جس سے کھل کر واضح ہو جائے کہ وہ رسولوں کی مخالفت کرنے والے ہیں اگرچہ وہ بات بلا ریب کفریہ ہو۔ اسی طرح تمام معین افراد کا حکم

[1] مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة (501,500/12)

ہے، جب کہ بعض بدعات بعض سے زیادہ سنگین نوعیت کی ہوتی ہیں اور بعض بدعتیوں میں وہ ایمان ہوتا ہے جو بعض میں نہیں ہوتا۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں میں سے کسی کی تکفیر کرے، خواہ وہ خطا کرے یا غلطی کا مرتکب ہو، یہاں تک کہ اس پر حجت قائم کی جائے اور دلیل اس کے لیے کھل کر واضح ہو جائے۔ جس کا ایمان یقینی طور پہ ثابت ہو چکا ہو، اس سے شک کی بنا پر ایمان کی نفی نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کا ایمان حجت کے قیام اور شبہے کے ازالے کے بعد ہی زائل ہو گا۔‘‘

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں:

’’مَنْ كَانَ مُؤْمِنًا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ مُطْلَقًا، وَلَمْ يَبْلُغْهُ مِنَ الْعِلْمِ مَا يُبَيِّنُ لَهُ الصَّوَابَ فَإِنَّهُ لَا يُحْكَمُ بِكُفْرِهِ حَتّٰى تَقُومَ عَلَيْهِ الْحُجَّةُ الَّتِي مَنْ خَالَفَهَا كَفَرَ، إِذْ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ يُخْطِئُ فِيمَا يَتَأَوَّلُهُ مِنَ الْقُرْآنِ وَيَجْهَلُ كَثِيرًا مِمَّا يَرِدُ مِنْ مَعَانِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَالْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ مَرْفُوعَانِ عَنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَالْكُفْرُ لَا يَكُونُ إِلَّا بَعْدَ الْبَيَانِ‘‘[1]

’’جو شخص مطلق طور پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو اور اس کے پاس وہ علم نہیں پہنچا جو اس کے لیے راہِ صواب کو کھول کر واضح کر دے، اس پر اتنی دیر تک کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، یہاں تک کہ اس پر وہ حجت قائم ہو جائے جس کی مخالفت کرنے والا کافر

[1] مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة (524,523/12)

ہوتا ہے، جب کہ بہت سارے لوگ قرآن کی تاویل میں خطا کر جاتے ہیں اور کتاب وسنت کے بہت سارے معانی سے جاہل ہوتے ہیں۔ خطا اور نسیان دونوں اس امت کو معاف کر دیے گئے ہیں اور کفر کا حکم بیان وتوضیح کے بعد ہی ہوتا ہے۔“

نیز شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وَالتَّكْفِيرُ هُوَ مِنَ الْوَعِيدِ، فَإِنَّهُ وَإِنْ كَانَ الْقَوْلُ تَكْذِيبًا لِمَا قَالَهُ الرَّسُولُ، لَكِنْ قَدْ يَكُونُ الرَّجُلُ حَدِيثَ عَهْدٍ بِإِسْلَامٍ أَوْ نَشَأَ بِبَادِيَةٍ بَعِيدَةٍ، وَمِثْلُ هَذَا لَا يَكْفُرُ بِجَحْدِ مَا يَجْحَدُهُ حَتّٰى تَقُومَ عَلَيْهِ الْحُجَّةُ، وَقَدْ يَكُونُ الرَّجُلُ لَا يَسْمَعُ تِلْكَ النُّصُوصَ أَوْ سَمِعَهَا وَلَمْ تَثْبُتْ عِنْدَهُ أَوْ عَارَضَهَا عِنْدَهُ مُعَارِضٌ آخَرُ أَوْجَبَ تَأْوِيلَهَا، وَإِنْ كَانَ مُخْطِئًا“[1]

”تکفیر امورِ وعیدیہ میں سے ہے، چاہے اس کا قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تکذیب کرتا ہو، لیکن ہوسکتا ہے اس نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہو یا پھر وہ کسی دور دراز جگہ میں رہایش پذیر ہو، جہاں اسلام کی تعلیمات مکمل طور پر نہ پہنچ سکیں تو ایسے شخص کی تکفیر نہ کی جائے گی، سوائے حجت کے قائم کرنے کے بعد۔ بعض اوقات ہوتا ہے کہ کسی نے کسی مسئلے میں متعلقہ نصوص نہیں سنی ہوتیں یا پھر اس کی سماعت تک تو پہنچی ہوتی ہیں، لیکن اس کے نزدیک درست ثابت نہیں ہوتیں یا پھر اس کے نزدیک معارض نصوص بھی ہوتی ہیں تو

[1] مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة (231/3)

باوجود اس کے وہ غلطی پر ہے، لیکن ہم اس کی تکفیر نہیں کر سکتے۔‘‘

ایک اور جگہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”وَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يُّكَفِّرَ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَإِنْ أَخْطَأَ وَغَلِطَ حَتّٰى تُقَامَ عَلَيْهِ الْحُجَّةُ وَتُبَيَّنَ لَهُ الْمَحَجَّةُ، وَمَنْ ثَبَتَ إِسْلَامُهُ بِيَقِينٍ لَمْ يَزُلْ ذَلِكَ عَنْهُ بِالشَّكِّ، بَلْ لَا يَزُولُ إِلَّا بَعْدَ إِقَامَةِ الْحُجَّةِ وَإِزَالَةِ الشُّبْهَةِ“[1]

’’جب تک مسلمانوں میں سے کسی پر حجت نہ قائم کی جائے اور اس کے لیے دلیل اچھی طرح واضح نہ ہو جائے، کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی تکفیر کرے، چاہے وہ غلطی پر ہی کیوں نہ ہو۔ جس کا اسلام یقین کے ساتھ ثابت ہے، وہ اس سے شک کے ساتھ زائل نہ ہو گا، بلکہ حجت قائم کرنے اور شبہات زائل کرنے کے بعد ہی زائل ہو گا۔‘‘

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فإنا بعد معرفة ما جاء به الرسول نعلم بالضرورة أنه لم يشرع لأمته أن يدعو أحدا من الأموات لا الأنبياء ولا الصالحين ولا غيرهم، لا بلفظ الاستغاثة ولا بغيرها، ولا بلفظ الاستعاذة ولا بغيرها، كما أنه لم يشرع لأمته السجود لميت ولا إلى ميت ونحو ذلك، بل نعلم أنه نهى عن كل هذه الأمور، وأن ذلك من الشرك الذي حرمه الله

[1] مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة (466/12)

تعالى ورسوله، لكن لغلبة الجهل وقلة العلم بآثار الرسالة في كثير من المتأخرين لم يمكن تكفيرهم بذلك حتى يبين لهم ما جاء به الرسول مما يخالفه“[1]

”رسول اللہ ﷺ جو کچھ لے کر آئے، اس کی معرفت کے بعد ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے فوت شدگان میں سے کسی کو بھی پکارنا مشروع نہیں رکھا، نہ انبیا و رسل علیہم السلام کو اور نہ اولیائے کرام وغیرہ ہی کو، نہ استغاثہ وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ، اور نہ استعاذہ وغیرہ کے الفاظ ہی سے، جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے میت کو سجدہ کرنا مشروع نہیں رکھا اور نہ ہی میت کی جانب رخ کر کے سجدہ کرنا، بلکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان تمام امور سے منع کیا ہے اور یقیناً یہ اس شرک میں سے ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، لیکن جہالت کے غلبے اور آثارِ رسالت سے کم علمی کی وجہ سے متاخرین میں سے بہت سے لوگوں کی تکفیر ممکن نہیں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کے خلاف جو احکامات لائے ہیں، ان کے لیے کھل کر واضح ہو جائیں۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

”كنت أقول للجهمية من الحلولية و النفاة الذين نفوا أن الله تعالى فوق العرش لما وقعت محنتهم أنا لو وافقتكم كنت كافرا لأني أعلم أن قولكم كفر و أنتم عندي لا

[1] الرد على البكري (731/2)

تکفرون لأنکم جهال، وکان هذا خطابا لعلمائهم و قضاتهم و شیوخهم وأمرائهم“[1]

”میں حلولیہ میں سے جہمیہ اور وہ لوگ جو اللہ کے عرش پر ہونے کی نفی کرتے ہیں، ان سے کہتا ہوں: اگر میں تمھاری موافقت کروں تو کافر ہو جاؤں گا اس لیے کہ میں جانتا ہوں تمھارا قول کفر ہے، لیکن تم میرے نزدیک کافر نہیں ہو گے، اس لیے کہ تم جاہل ہو۔ یہ خطاب ان کے علما، قضاۃ، شیوخ اور امرا سے تھا۔“

امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”إن العذاب یستحق بسببین، أحدهما: الإعراض عن الحجة وعدم إرادتها والعمل بها وبموجبها، الثاني: العناد لها بعد قیامها وترك إرادة موجبها، فالأول کفر إعراض، والثاني کفر عناد، وأما کفر الجهل مع عدم قیام الحجة وعدم التمکن من معرفتها فهذا الذي نفی الله التعذیب عنه حتی تقوم حجة الرسل“[2]

”بلاشبہ عذاب کا حق دار دو اسباب کی بنا پر ٹھہرایا جاتا ہے: ان میں ایک تو یہ ہے کہ حجتِ شرعیہ سے اعراض اور منہ موڑ لینا، اس حجت اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرنا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ حجت قائم ہونے کے بعد اس کے ساتھ عناد رکھنا اور اس کے موجب کا

[1] الرد علی البکري (2/494)

[2] طریق الهجرتین وباب السعادتین لابن القیم (ص: 414)

ارادہ ہی ترک کر دینا۔ پہلی صورت کفرِ اعراض ہے اور دوسری صورت کفرِ عناد ہے۔ حجت کے قائم نہ ہونے اور اس کی اچھی طرح معرفت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کفرِ جہل وہ چیز ہے جس سے اللہ نے عذاب دینے کی نفی کی ہے، یہاں تک کہ رسولوں کی حجت قائم ہو جائے۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ مَنْ سَجَدَ جَاهِلًا لِغَيْرِ اللّٰهِ لَمْ يُكَفَّرْ''[1]

''اس حدیث میں دلیل ہے کہ جس آدمی نے جہالت کی وجہ سے غیر اللہ کو سجدہ کیا تو اسے کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔''

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''وإذا كنا لا نكفر من عبد الصنم الذي على قبر عبد القادر والصنم الذي على قبر أحمد البدوي وأمثالهما لأجل جهلهم وعدم من ينبههم، فكيف نكفر من لم يشرك بالله إذا لم يهاجر إلينا أو لم يكفر ويقاتل؟ ﴿سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾ [النور: ١٦]''[2]

''جب ہم جہالت کی وجہ سے اور تنبیہ کرنے والے افراد کے نہ ہونے کی وجہ سے اس شخص کو کافر قرار نہیں دیتے جو عبد القادر اور

[1] نیل الأوطار (249/6)

[2] الدرر السنية في الأجوبة النجدية (104/1)

احمد البدوی اور ان کی طرح دوسرے لوگوں کی قبر پر بنے ہوئے صنم کی عبادت کرتا ہے، تو ہم اس شخص کو کیسے کافر قرار دیں گے جو اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتا جب وہ ہماری طرف ہجرت کر کے نہ آیا۔ یہ تو ہم پر بہت بڑا بہتان ہے۔''

شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبدالوہاب سے قبور پر بنے ہوئے قبوں کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا یہ قبے ان کے بانی کے کفر پر دلالت کرتے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیتے ہوئے کہا:

''هذا يحتاج إلى تفصيل، فان كان الباني قد بلغه هدى الرسول ﷺ في هدم البناء عليها ونهيه عن ذلك، وعاند وعصى أو منع من أراد هدمها من ذلك فذلك من علامة الكفر، وأما من فعل ذلك جهلا منه بما بعث الله به رسوله ﷺ فهذا لا يكون علامة على كفر، وإنما يكون علامة على جهله وبدعته وإعراضه عن البحث عما أمر الله به ورسوله في القبور''[1]

''یہ بات تفصیل کی محتاج ہے۔ اگر قبروں پر قبے بنانے والے کو ان پر عمارات گرانے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی راہنمائی اور اس سے ممانعت پہنچی ہے، لیکن اس نے عناد و سرکشی اختیار کی اور نافرمانی کی یا جس نے ان قبوں کو گرانے کا ارادہ کیا تو اس نے اسے منع کیا تو یہ کفر کی علامت ہے۔ البتہ جس شخص نے یہ کام ان احکامات

[1] الدرر السنية فى الأجوبة النجدية (89/5)

سے جہالت کی بنا پر کیا جن کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث کیا تو یہ اس کے کفر پر علامت نہیں ہے۔ یہ صرف اس کی جہالت، بدعت اور قبروں کے متعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو حکم دیا ہے اس سے بحث کرنے سے گریز کی علامت ہے۔''

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ کسی بھی شخص یا گروہ کی تکفیرِ معین کرتے ہوئے جہالت کو بھی بطورِ عذر قبول کیا جائے گا اور جب تک جہالت دور نہ ہو تکفیر نہیں کی جائے گی۔ سلف صالحین کا بھی یہی موقف ہے۔

کیا سیدنا عبداللہ بن زبیر اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما نے خروج کیا تھا؟

سوال کیا سیدنا عبد اللہ بن زبیر اور سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے حکمران کے خلاف خروج کیا تھا؟

جواب سیدنا عبد اللہ بن زبیر اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم نے خروج نہیں کیا، کیوں کہ خروج اس وقت ہوتا ہے جب مسلمان کسی ایک خلیفہ کی اطاعت پر جمع ہوں، جب کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید کے لیے بیعت نہیں کی تھی، پھر جب یزید خلیفہ بنا تو اس وقت بھی انھوں نے بیعت سے انکار کیا اور اہلِ کوفہ کے بلانے پر ان کی طرف روانہ ہو گئے، کوفیوں نے غدر کر کے انھیں شہید کر دیا۔ شہادت سے قبل جب انھیں اہلِ کوفہ کے حالات معلوم ہوئے تو وہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے، ملاحظہ فرمائیں! سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''فأضع يدي في يده فيحكم في ما رأىٰ''[1]

[1] البداية والنهاية (171/8)

''میں براہِ راست یزید کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا (بیعت کرلوں گا) پھر وہ جیسا کہ مناسب سمجھے کر لے گا۔''

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی خروج نہیں کیا، کیوں کہ یہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور اہلِ مدینہ میں سے کچھ لوگ بھی ان کے ساتھ تھے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب اہلِ مدینہ کا معاملہ بڑھا تو ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ ابھی محاصرہ جاری تھا کہ یزید فوت ہو گیا اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر حجاز، یمن، مصر، عراق، خراسان اور شام کے بعض لوگوں نے بیعت کر لی، لیکن ان کا معاملہ مضبوط نہ رہ سکا، کیوں کہ مروان شام اور اس کے بعد مصر پر غالب آ گیا اور اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے عبدالملک بن مروان نے یہ کام جاری رکھا، حتی کہ عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہما قتل کر دیے گئے۔

یعنی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خروج نہیں کیا، کیوں کہ خروج تب کہلاتا ہے جب کوئی شخص کسی علاقے کا اتفاقی حاکم بن جائے اور پھر اس کے بعد اس کی حکومت کے خلاف بغاوت کی جائے، جب کہ ان اصحاب کا معاملہ مختلف تھا کہ انھوں نے کسی متفقہ حاکم کے خلاف بغاوت نہیں کی تھی۔

سوال مرجئہ کون ہیں اور ان کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب آج کل آپ لوگ اپنے گرد و نواح میں بہت سی ایسی آوازیں سنتے ہوں گے، جن میں لفظ ''مرجئہ'' استعمال ہوتا ہے۔ بہت سے گروہ ایک دوسرے

کوارجاء کی تہمت بڑے شوق سے دیتے نظر آتے ہیں، حتی کہ اس دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے کہ محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کو بھی ہمارے ایک معاصر مجلّہ ''الإحیاء'' نے مرجئہ قرار دے کر ''معرکہ'' سر کرنے کی مذموم سعی کی ہے۔ ان بے لگام زبانوں سے خالص اہل الحدیث لوگ، کہ جن کی ساری زندگیاں ''قال اللّٰه وقال الرسول ﷺ'' کا درس دیتے گزریں، بھی محفوظ نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس بات کا تعین کیا جائے کہ مرجئہ کسے کہا جاتا ہے اور مرجئہ کون ہوتا ہے؟

اہل السنۃ کے نزدیک مسئلہ ایمان میں مرجئہ کی چار اقسام ذکر کی جاتی ہیں:

1. ایمان صرف زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا نام ہے۔
2. ایمان صرف زبان سے اقرار کا نام ہے۔
3. ایمان صرف تصدیق کا نام ہے۔
4. ایمان صرف معرفت کا نام ہے۔

1 مرجئہ فقہا

جو کہتے ہیں کہ ایمان دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کا نام ہے، وہ مرجئہ فقہا ہیں۔ انھوں نے اعمال کو مسمی ایمان سے خارج کر دیا، جس کے نتیجے میں انھوں نے کہا کہ ایمان نہ بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ راقم ہیں:

''والمرجئة الذين قالوا: الإيمان تصديق القلب وقول

اللسان، والأعمال ليست منه كان منهم طائفة من فقهاء الكوفة وعبادها، ولم يكن قولهم مثل قول جهم" [1]

''وہ مرجئہ جنھوں نے کہا کہ ایمان دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کا نام ہے، اور اعمال ایمان میں سے نہیں ہیں، ان میں کوفہ کے فقہا وعباد کا ایک گروہ بھی ہے اور ان کا (یہ) قول جہم کے قول جیسا نہیں ہے۔''

ان کے نزدیک ایمان شے واحد ہے اور اصل ایمان میں تمام مومن برابر ہیں۔ [2]

مزید فرماتے ہیں:

"وكان أكثرهم من أهل الكوفة ولم يكن أصحاب عبد الله من المرجئة ولا إبراهيم النخعي وأمثاله، فصاروا نقيض الخوارج والمعتزلة، فقالوا: إن الأعمال ليست من الإيمان، وكانت هذه البدعة أخف البدع، ولم أعلم أحدًا منهم نطق بتكفيرهم بل هم متفقون علىٰ أنهم لا يكفرون في ذلك، وقد نص أحمد وغيره من الأئمة علىٰ عدم تكفير هؤلاء المرجئة" [3]

''ان کی اکثریت اہلِ کوفہ میں سے تھی، البتہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

[1] الإيمان لابن تيمية، (ص: 154)
[2] عقيده طحاوية مع الشرح لابن أبي العز الحنفى، (ص: 538)
[3] مجموع الفتاویٰ (ص: 7507)

کے شاگرد اور ابراہیم نخعی اور ان جیسے لوگ مرجئہ میں سے نہیں تھے۔ یہ مرجئہ خوارج اور معتزلہ کی نقیض تھے۔ انھوں نے کہا کہ اعمال ایمان میں سے نہیں ہیں اور یہ بدعت (مرجئہ کی) بدعتوں میں سے سب سے زیادہ ہلکی ہے (سلف اور ائمہ نے ان پر سخت نکیر و تغلیظ کی ہے) البتہ میں کسی کو نہیں جانتا جس نے ان کی تکفیر کی ہو، بلکہ وہ اس بات پر متفق ہیں کہ (مسئلہ ایمان میں) ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور ان مرجئہ کی عدمِ تکفیر کی امام احمد وغیرہ ائمہ نے صراحت کی ہے۔"

2 جہمیہ

ایمان کی تعریف اور مفہوم و مراد کے لحاظ سے ایک گروہ جہمیہ کا ہے۔ یہ لوگ جہم بن صفوان کے پیروکار ہیں جو 128ھ میں قتل ہوا، اسے مسلم بن احوز مازنی نے مرو کے مقام پر قتل کرا دیا تھا۔ ان کا اعتقاد ہے کہ ایمان صرف معرفت کا نام ہے اور اسی نظریے کے نتیجے میں یہ لوگ ابلیس اور فرعون کو بھی مومن، کامل ایمان والے سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک کفر صرف رب تعالیٰ سے جہالت کا نام ہے۔ یہ قسم اِرجا کی قسموں میں سے سب سے زیادہ سخت اور خطرناک ترین ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وعند الجهمية إذا كان العلم في قلبه فهو مؤمن كامل الإيمان إيمانه كإيمان النبيين، ولو قال وعمل ما ذا"[1]

[1] مجموع الفتاویٰ (ص: 7143)

''جہمیہ کے نزدیک جب دل میں (رب کے متعلق) علم ہے تو وہ کامل ایمان والا مومن ہے۔ اس کا ایمان نبیوں کے ایمان کی طرح ہے اگرچہ وہ کچھ بھی کہے اور کرے۔''

ان کے نزدیک عملِ قلب بھی ایمان میں شامل نہیں ہے۔

نیز ایک اور جگہ آپ لکھتے ہیں:

"ومنهم من لا يدخلها في الإيمان كجهم ومن اتبعه كالصالحي"[1]

''عملِ قلب کو ایمان میں داخل نہ کرنے والوں میں جہم اور اس کے پیروکار صالحی وغیرہ ہیں۔''

ایک جگہ مزید فرماتے ہیں:

''ان کے نزدیک ایمان شے واحد دل میں ہے۔''[2]

مزید فرماتے ہیں:

"الإيمان مجرد معرفة القلب وإن لم يقر بلسانه، واشتد نكيرهم لذلك حتى أطلق وكيع بن الجراح وأحمد بن حنبل وغيرهما كفر من قال ذلك، فإنه من أقوال الجهمية"[3]

''(ایک قول یہ ہے کہ) ایمان صرف معرفتِ قلب ہے، اگرچہ زبان سے اقرار نہ بھی کرے۔ (ائمہ سلف نے) بڑی شدت سے ان کی

[1] الإيمان لابن تيمية (ص: 155)

[2] الإيمان لابن تيمية (ص: 308)

[3] مجموع الفتاوى (ص: 7508)

تردید کی ہے، حتی کہ وکیع بن جراح اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ نے ایسے لوگوں پر کفر کا اطلاق کیا ہے۔ بلا شبہہ یہ جہمیہ کے اقوال میں سے ہے۔‘‘

جہمیہ کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’نظرت في كلام اليهود والنصارىٰ والمجوس فما رأيت قومًا أضل فی كفرهم من الجهمية وإني لأستجهل من لا يكفرهم إلا من لا يعرف كفرهم، وقال: ما أبالي صليت خلف الجهمي والرافضي أم صليت خلف اليهود والنصارىٰ‘‘ [1]

’’میں نے یہود و نصاریٰ اور مجوس کے کلام میں غور وفکر کیا ہے، پس میں نے کسی ایسی قوم کو نہیں دیکھا جو اپنے کفر میں جہمیہ سے بڑھ کر گمراہ ہو اور جو ان کی تکفیر نہیں کرتا میں اس کو جاہل سمجھتا ہوں سوائے اس کے، جسے ان کے کفر کا علم ہی نہ ہو، اور (مزید) فرماتے ہیں: مجھے کوئی پروا نہیں کہ میں جہمی اور رافضی کے پیچھے نماز پڑھ لوں یا یہودی اور عیسائی کے پیچھے۔‘‘

3 کرامیہ

یہ لوگ ابوعبداللہ محمد بن کرام (المتوفی 255ھ) کے پیروکار ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان دل سے تصدیق کرنے اور تمام اعمال کے بجائے صرف

[1] شرح السنة للبغوي (ص: 194، 195) ’’خلق أفعال العباد‘‘ رقم (31، 51)

زبان سے اقرار کا نام ہے۔

ان کے نزدیک منافق بھی باعتبار دنیا مومن ہے، بلکہ کامل مومن ہے، البتہ وہ آخرت میں عذابِ ابدی کا مستحق ہے۔ چنانچہ شرح عقیدہ طحاویہ میں ہے:

"فالمنافقون عندهم مؤمنون كاملوا الإيمان"[1]

"پس منافقین ان کے نزدیک مؤمن، کامل ایمان والے ہیں۔"

4 ماتریدیہ

ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی کی طرف منسوب ایک کلامی فرقہ ہے۔ شارح عقیدہ طحاویہ امام ابن ابی العز حنفی راقم ہیں:

"أو التصديق كما قاله أبو منصور الماتريدي"[2]

"یا (ایمان صرف) تصدیق ہے، جیسا کہ ابومنصور ماتریدی کا قول ہے۔"

ان میں سے کچھ نے کہا ہے کہ زبان سے اقرار (ایمان کے لیے) رکن زائد ہے، اصلی نہیں ہے اور ابومنصور ماتریدی اسی کے قائل ہیں۔

یہ مرجئہ کی کل چار اقسام ہیں، جو اہل السنۃ نے بیان کی ہیں، لیکن آج لفظ "مرجئہ" صرف ایک گالی کے طور پر استعمال ہو رہا ہے اور کہنے والے کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ جس شخص پر میں مرجئہ کا اطلاق کر رہا ہوں، وہ مرجئہ ہے بھی یا نہیں؟!

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اہل الحدیث کی جماعتوں میں سے کوئی بھی

[1] شرح العقيدة الطحاوية، (ص: 332)

[2] شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الحنفي، (ص: 333)

جماعت یا تنظیم ایسی نہیں ہے جو یہ اعتقاد نہ رکھتی ہو کہ ایمان اقرار باللسان، تصدیق بالقلب اور عمل بالجوارح کا نام ہے، یعنی تمام تر اہل الحدیث جماعتیں زبانی اقرار، دلی تصدیق اور ارکانِ ایمان و اسلام پر عمل کے مجموعے ہی کو ایمان قرار دیتی ہیں، جب کہ غیر اہل الحدیث جماعتوں میں اِرجا کی بیماری پائی جاتی ہے۔ کوئی صرف زبانی جمع خرچ کو ایمان کا نام دیتا ہے تو کوئی ساتھ تصدیق کو بھی ایمان میں شامل کر لیتا ہے، لیکن عمل کو یہ لوگ ایمان کا حصہ نہیں سمجھتے، مگر صد افسوس کہ آج کے مرجئہ لوگ اہل السنہ کو اِرجا کا الزام دے کر ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کی عملی تفسیر بنے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں حق کو سیکھنے سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔

خارجی کون؟

مؤلف

محمد رفیق طاہر

خارجی کون

خوارج کون ہیں اور خارجی کسے کہا جاتا ہے؟ یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب آج ہر کوئی تلاش کر رہا ہے۔ یہ وہ فتنہ ہے جس کی ابتدا رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ہو چکی تھی، چنانچہ آپ ﷺ نے اس فتنے سے امت کو خبردار کیا اور ان کی کچھ علامات بھی بیان فرمائیں، جن کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ لوگ ظاہری طور پہ بہت متقی اور عبادت گزار ہوں گے، اللہ کے ذکر سے ان کی زبانیں تر ہوں گی، ان کا ظاہری زہد وتقویٰ سادہ لوح مسلمانوں کی آنکھوں کو خیرہ کرے گا، زبان کی باتیں بھی بظاہر بہت بھلی معلوم ہوں گی، مگر حقیقت میں ان کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو گا۔ یہ اسلام کے دشمن ہوں گے اور اسلام دشمنوں کے ساتھی بنیں گے، کفار سے تعلقات استوار کریں گے اور مسلمانوں پہ غیظ وغضب ڈھائیں گے۔

خوارج سے متعلق احادیث میں مذکور ان باتوں کی وجہ سے کچھ لوگ احسن انداز میں نماز پڑھنے، تلاوت کرنے والے اور سنت کے مطابق نصف پنڈلی تک شلوار رکھنے والوں کو بھی خارجی کہنے لگے ہیں اور ہر وہ شخص جو خلافت کا لفظ بولتا یا اسلامی نظامِ حکومت کی بات کرتا ہے، اسے بھی شک بھری نگاہوں سے دیکھا جانے لگا ہے۔ اسی طرح مسلم حکومتوں کے خلاف مسلح جدوجہد کرنے والوں

اور کفار کے خلاف لڑنے والوں کو بھی ایک ہی پلڑے میں ڈالا جانے لگا ہے۔[1]

جبکہ دوسری جانب ایسا گروہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو اپنے خروج اور بغاوت کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام دے کر زمین میں فساد بپا کیے ہوئے ہے۔مسلمانوں کو کافر اور مرتد کہہ کر انھیں تہ تیغ کرنا ان کا مشغلہ بن چکا ہے اور ملتِ کفر کے بجائے اسلامی ممالک ان کی شر انگیزیوں کا شکار بن چکے ہیں۔مسلم ممالک کے نااہل حکمرانوں کے ستائے ہوئے اور فرسودہ نظامِ حکومت سے تنگ آئے ہوئے اسلامی نظام سے محبت کرنے والے سادہ لوح مسلمان ان کے خوش نما نعروں سے متاثر ہو کر ان کی حقیقت سے آشنا نہ ہونے کی بنا پر ان کے ساتھ شامل ہو رہے ہیں۔

ان حالات میں ضروری تھا کہ ایک مختصر تحریر میں یہ بات سمجھائی جائے کہ خوارج کون ہیں ؟ انھیں کس طرح پہچانا جاسکتا ہے اور ان کے دامِ فریب سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟

وقت کے اسی تقاضے کو پورا کرنے کے لیے یہ چند صفحات تحریر کیے ہیں، جن میں واضح کیا گیا ہے کہ خارجیت زہد وتقویٰ، عبادت وللّٰہیت اور دین پر احسن انداز میں عمل کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ خارجیت ایک فکر اور ایک نظریہ ہے۔ یہ درحقیقت اسلام دشمنی کا نام ہے۔ یہ کفار کے ایجنڈے کو مسلمانوں کے روپ میں پایۂ تکمیل تک پہنچانے، مسلم حکومتوں کو کمزور کرنے، اہلِ اسلام کو

---

[1] جہاد فی سبیل اللہ اور جہاد کے نام پر برپا کیے جانے والے فساد میں فرق سمجھنے کے لیے ہمارا کتابچہ ''جہاد یا فساد؟'' کا مطالعہ فرمائیں۔

دہشت زدہ کرنے اور اسلامی ممالک کو عدمِ استحکام کا شکار کرنے کا نام ہے۔

خلافت و امارت اور دعوت و جہاد کا نام لینا یا شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ اور غلبۂ دین کے منہجِ نبوی کے مطابق جدوجہد کرنا خارجیت نہیں، بلکہ خارجیت مسلم حکومتوں کے خلاف بغاوت کا نام ہے! خواہ یہ بغاوت عسکری ہو، قلمی ہو یا زبانی!

فکرِ خوارج کا آغاز

خوارج میں اپنے آپ کو باقیوں سے بہتر سمجھنے اور دوسروں کو اپنے سے کم تر سمجھنے کی بیماری ہوتی ہے۔ یہ لوگ انصاف کے الف سے بھی بہت دور ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا منصف سمجھتے ہیں اور عین انصاف کرنے والے بھی ان کے نزدیک خطا کار ٹھہرتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت پر جس قدر ہم عمل پیرا ہیں، اتنا شریعت کا پابند اور کوئی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس فکر کے حامل سب سے پہلے شخص نے امام الانبیاء جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی منصف نہیں مانا تھا۔

جی ہاں! اس فکر کا آغاز زمانۂ نبوت سے ہو چکا تھا اور آہستہ آہستہ یہ فکر پنپتی رہی اور بالآخر فتنۂ خارجیت کا ظہور ہوا۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسول اللہ ﷺ کی طرف بیری کے پتوں سے دباغت کیے ہوئے چمڑے کی ایک تھیلی میں سونے کے چند ٹکڑے بھیجے، جن سے ابھی (کان کی) مٹی صاف نہیں کی گئی تھی۔ آپ ﷺ نے وہ سونا چار آدمیوں؛ عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید الخیل اور علقمہ یا عامر بن طفیل کے درمیان تقسیم کر دیا۔

آپ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک آدمی نے کہا: ہم ان لوگوں سے

زیادہ اس کے حق دار تھے۔ جب یہ بات نبی اکرم ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا تم مجھے امانت دار نہیں سمجھتے؟ جبکہ میں اس ذات کا امین ہوں جو آسمانوں میں ہے، میرے پاس آسمان کی خبر صبح وشام آتی ہے۔''

پھر ایک دھنسی آنکھوں، پھولے رخساروں، ابھری پیشانی، گھنی ڈاڑھی، مونڈے سر والا [1] آدمی تہبند اٹھائے ہوئے [2] کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ سے ڈریے!

---

[1] یہاں اس شخص کے کچھ خلقی اوصاف ذکر کیے گئے کہ اس کا حلیہ کیسا تھا، ان اوصاف کا خوارج کی نشانیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ یہ ضروری ہے کہ جس کے حلیے میں یہ چیزیں شامل ہوں وہ خارجی ہے اور نہ ہی ہر خارجی کے حلیے میں ان کا شامل ہونا ضروری ہے۔ دھنسی ہوئی آنکھیں، پھولے رخسار، ابھری پیشانی، گھنی ڈاڑھی، یہ خوارج کی علامات نہیں ہیں، بلکہ اس شخص کا حلیہ تھا، جو بیان ہو گیا۔ لیکن میں نے کچھ نوجوانوں کو دیکھا ہے کہ وہ ان چیزوں کو بھی خوارج کی علامات میں شامل کر دیتے ہیں تو انھیں خبردار رہنا چاہیے کہ کسی کی ڈاڑھی کا گھنا ہونا، پیشانی اور چہرے کا بھرا ہونا وغیرہ اس کے خارجی ہونے کی نشانی نہیں! خوارج کی جو علامات ہیں، وہ آیندہ سطور میں ہم ذکر کریں گے۔

[2] عام طور پر ''مشمر الإزار'' کا معنی اونچے تہبند والا کیا جاتا ہے اور اونچی شلوار والوں کو اس حدیث کا مصداق ٹھہراتے ہوئے انھیں خارجی قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے، جو درست نہیں، کیوں کہ مسلمان مرد کو نصف پنڈلی تک شلوار اونچی رکھنے کا حکم خود رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کی کہ یہ خوارج کی علامت یا نشانی نہیں ہے، بلکہ یہ اس شخص کا حلیہ تھا جو بیان کیا گیا۔ حلیے میں اس کے ازار کی حالت کو ذکر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ بظاہر وہ پابندِ شریعت نظر آ رہا تھا، جبکہ حقیقت میں معاملہ کچھ اور تھا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی وضاحت فرمائی کہ خوارج بظاہر پابندِ شریعت ہوں گے، جبکہ حقیقت میں وہ دین سے ایسے خارج ہو چکے ہوں گے جیسے تیر شکار سے آر پار ہو جاتا ہے۔ الغرض اس شخص کا یہ حلیہ بظاہر شریعت کے موافق تھا، نہ کہ مخالف!

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا ستیا ناس! کیا اہلِ زمین میں سے مَیں ہی سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق دار نہیں ہوں؟''

پھر وہ آدمی چلا گیا۔

خالد بن ولید نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میں اس کی گردن نہ اڑا دوں؟

آپ ﷺ نے فرمایا'': نہیں! شاید کہ وہ نماز پڑھتا ہو۔''[1]

تو خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کتنے ہی نمازی ایسے ہیں جو اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے لوگوں کے دل چیرنے اور پیٹ چاک کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔''[2]

پھر آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا، جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر جا رہا تھا اور آپ ﷺ فرمایا:

''اس کی بنیاد[3] سے ایسے لوگ نکلیں گے، جو خوش الحانی سے کتاب اللہ کی

---

[1] یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس گستاخ کو صرف اس وجہ سے معاف کیا جا رہا ہے کہ شاید وہ نمازی، یعنی مسلمان ہے۔ یہاں نماز کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اس وقت کوئی مسلمان بے نمازی نہیں تھا اور نماز پڑھنا مسلمان ہونے کی دلیل سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان میں نمازیوں کی عزت وحرمت اور ان کے قتل سے اجتناب کرنے کا واضح سبق ہے۔

[2] یہ ایک شرعی قاعدہ ہے کہ کسی بھی انسان پر اس کے ظاہر کو دیکھ کر حکم لگایا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین کو ان کے بظاہر شعائرِ اسلام کو اپنانے کی بنا پر مسلمانوں میں ہی شمار کیا جاتا تھا اور ان کے دلوں کے حال کو اللہ کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ منافقین عند اللہ تو مسلمان نہیں، بلکہ کافر ہی ہوتے ہیں، لیکن چونکہ ان کا ظاہر مسلمانوں والا ہوتا ہے، لہٰذا ان کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک کیا جاتا ہے۔

[3] ''ضئضئ'' عربی زبان میں ''اصل'' کو کہتے ہیں۔ (مقاییس اللغة 3/357)۔ ''اصل'' ←

تلاوت کریں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے آر پار ہو جاتا ہے۔"[1]

(راوی کہتے ہیں) اور میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں انھیں پا لوں تو ثمود کو قتل کرنے کی طرح قتل کردوں گا۔[2]

اس کے علاوہ نبی مکرم ﷺ نے خوارج کی کچھ دیگر صفات و علامات بھی ذکر کیں اور ان کا حکم بھی بیان کیا ہے۔ ان میں سے کچھ تو اولین خوارج کے ساتھ خاص ہیں جن کے خلاف سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا تھا۔ ہم پہلے خوارج

← یعنی بنیاد اور جڑ، اس سے مراد اس کی نسل بھی ہوسکتی ہے اور اس کے نظریے پہ چلنے والے لوگ بھی، خواہ ان کا تعلق کسی بھی قوم سے ہو، کیوں کہ اس خارجی نظریے کی اصل، یعنی بنیاد اور نقطہ آغاز یہی شخص تھا۔ ہمارے نزدیک دوسرا معنی راجح ہے۔ گو اکثر اردو مترجمین نے اس کا پہلا معنی لکھا ہے۔ اس شخص کا نام؛ "ذُو الخُوَيْصِرَه" تھا اور اس کا تعلق خاندانِ بنوتمیم سے تھا۔ (صحيح البخاري: 6136)

یاد رہے کہ اس ایک شخص کی وجہ سے کچھ لوگ تمام تر بنوتمیم کو برا سمجھتے ہیں، جبکہ اگر "ضئضئ" کا معنی نسل بھی لے لیا جائے تو بھی تمام تر بنوتمیم کو برا جاننے کا جواز پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ وہ بنوتمیم کا ایک شخص تھا، نہ کہ وہ شخص ہی بنوتمیم تھا! یعنی بنوتمیم میں سے جہاں اس ذوالخویصرہ کی نسل ہے، وہیں بنوتمیم کے باقی افراد کی بھی نسل موجود ہے۔ لہٰذا "ضئضئ" سے اگر نسل بھی مراد لی جائے تو یہ صرف ذوالخویصرہ کی نسل مراد ہوگی نہ کہ تمام تر بنوتمیم اور ان کی نسلیں۔ پھر ذوالخویصرہ کی بھی ساری نسل کے بارے میں کہنا کہ وہ خارجی ہیں، درست نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "اس کی نسل میں سے ...الخ" یہ نہیں فرمایا: اس کی نسل..." یعنی اس کی نسل میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے۔ اس کی ساری نسل کے بارے میں یہ حکم نہیں لگایا گیا۔

[1] اس جملے میں یہ بات واضح ہے کہ ان کی بظاہر دینداری کے باجود ان پر ایمان و اسلام کا کوئی اثر نہیں ہو گا اور دین کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہ ہو گا۔ خوارج سے متعلق اسی قسم کے فرامینِ نبویہ کی بنا پر اہلِ علم کی ایک جماعت نے خوارج کو کافر قرار دیا ہے۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (4351)

سے متعلق نبی مکرم ﷺ کے فرامین تحریر کریں گے اور اس کے بعد ان اولین خوارج کا قصہ بھی، کیوں کہ ان کے خارجی ہونے پہ امت کا اتفاق بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے کچھ علامات ایسی بھی بیان فرمائی تھیں جو ان کے ساتھ خاص تھیں، جن کی بنا پر ان کے خارجی ہونے کا فیصلہ کرنا آسان ہو گا، اس کے ساتھ ہی خوارج میں پائی جانے والی وہ متفقہ صفات بھی معلوم ہو جائیں گی جنھیں نبی مکرم ﷺ نے شاید بغرض اختصار اور اس لیے چھوڑ دیا کہ جب لوگ ان خوارج کو پہچان لیں گے تو ان میں پائی جانے والی صفات و عادات بھی سب پہ واضح ہی ہوں گی۔

خوارج کی جو صفات نبی مکرم ﷺ نے بیان فرمائی ہیں یا آپ ﷺ کے متعین کردہ اولین خوارج میں جو صفات پائی گئیں، اگر وہی صفات آج کسی میں موجود ہوں گی تو اسے بھی خوارج سے ملایا جائے گا اور یہ ضروری نہیں کہ خوارج کی تمام تر صفات کسی میں جمع ہوں تبھی وہ خارجی کہلائے گا، بلکہ خارجیت کی بنیادی فکر جس میں موجود ہوگی ، وہ خارجی کہلائے گا، خواہ اس میں باقی علامات میں سے کچھ نہ بھی ہوں۔

خوارج کے متعلق نبوی پیشین گوئیاں

نبی مکرم ﷺ نے خوارج کے خطرناک فتنے سے امت کو بچانے کے لیے کچھ پیش گوئیاں فرمائی ہیں، جنھیں اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

❀ ((يَخْرُجُ نَاسٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ))[1]

''وہ لوگ مشرق کی جانب سے نکلیں گے۔''[2]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (7562)

[2] مشرق سے مراد عراق ہے۔ یاد رہے کہ یہاں اصطلاحی مشرق مراد ہے، جغرافیائی نہیں! جس طرح برصغیر پاک و ہند میں امریکہ و یورپ کے کفار کی طرف اشارہ کرنے کے لیے انھیں اہلِ مغرب کہا جاتا ہے اور مسلمانوں کے لیے اہلِ مشرق کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ہر غیر اسلامی تہذیب کو تہذیبِ مغرب قرار دیا جاتا ہے، جبکہ برصغیر کے مغرب میں مسلمانوں کے مقدس شہر حرمین شریفین بھی واقع ہیں اور اس کے مشرق میں بھی کفار کے بڑے بڑے ممالک موجود ہیں۔ الغرض جس طرح برصغیر میں مشرق و مغرب کو بطورِ اصطلاح استعمال کیا جاتا ہے بعینہ اہلِ عرب بھی ''مشرق'' کو بطورِ اصطلاح ''عراق'' کے لیے استعمال کرتے تھے۔ خود نبی مکرم ﷺ نے عراق کی طرف اشارہ کرکے اسے فتنوں کی سرزمین قرار دیا ہے۔ (مسند احمد: 6302)

جن روایات میں نجد کے الفاظ آئے ہیں، ان میں بھی نجدِ عراق ہی مراد ہے۔ کیوں کہ اس کا تعین خود نبی مکرم ﷺ نے فرما دیا ہے اور یہ نشانی اولین خوارج کے ساتھ ہے! ہاں اس کے بعد بھی اسی علاقے سے خوارج کا ظہور ممکن ہے، یعنی یہ ضروری نہیں کہ جب بھی خوارج کا ظہور ہو، عراق ہی میں سے ہو اور یہ بھی نہیں کہ اولین خوارج کا ظہور عراق سے ہو چکا تو اب دوبارہ عراق میں فتنۂ خوارج پیدا نہیں ہوسکتا۔

❁ ((يَأْتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ))[1]

''زمانے کے آخر میں ایسی قوم آئے گی۔''

یہاں زمانے سے ''زمانۂ خلافت علی منہاج النبوۃ'' مراد ہے اور اس زمانے کے آخر سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت مقصود ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق منہجِ نبوی پر خلافت تیس (30) سال تک تھی، اس کے بعد پُر رحمت ملوکیت کا دور شروع ہوا۔[2]

❁ ((لَا يَزَالُونَ يَخْرُجُونَ حَتّٰى يَخْرُجَ آخِرُهُمْ مَعَ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ))[3]

''وہ ہمیشہ نکلتے رہیں گے، یہاں تک کہ ان کا آخری گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔''

یعنی زمانۂ خلافت کے آخر میں یہ لوگ ظاہر ہوں گے اور ان کا ظہور دجال کی آمد تک جاری رہے گا۔ وقتاً فوقتاً مختلف جگہوں میں یہ لوگ ظاہر ہوتے رہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ان لوگوں کا اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے جو خوارج کی فکر کو اپنائے ہوئے ہیں، مگر کہتے ہیں کہ خوارج کا ظہور تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا تھا اور انھوں نے خارجیت کے فتنے کو ختم کر دیا تھا، اب کوئی خارجی نہیں ہے، کیوں کہ اس حدیث میں واضح ہے کہ خارجیت کا فتنہ دجال کی آمد تک جاری رہے گا اور خوارج کے آخری لوگ دجال کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (3611)

[2] جامع الترمذي، رقم الحديث (2226)

[3] سنن النسائي، رقم الحديث (4103)

۞ ((يَخْرُجُونَ عَلٰى حِينِ فُرْقَةٍ مِنَّ ا لنَّاسِ)) [1]

''وہ لوگوں میں اختلاف کے وقت نمودار ہوں گے۔''

اولین خوارج کا ظہور بھی اس وقت ہوا جب مسلمانوں کے آپس میں اختلافات چل رہے تھے۔ سیدنا معاویہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے مابین کچھ غلط فہمیوں کی بنا پر جھگڑا چل رہا تھا۔ اس کے بعد بھی کچھ خارجی گروہوں کا ظہور مسلمانوں کے آپس میں اختلافات کے وقت ہوا ہے، لیکن یاد رہے کہ یہ نشانی بھی اولین خوارج کے ساتھ خاص تھی، یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خارجی نظریات کے حامل جو لوگ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کے دور کے علاوہ نمودار ہوں وہ خارجی نہیں ہیں، بلکہ جو بھی ان نظریات کا حامل ہوگا، وہ خارجی ہی قرار پائے گا۔

۞ ((حُدَثَاءُ الْأَسْنَانِ)) [2] ''وہ کم سن لڑکے ہوں گے۔''

۞ ((سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ)) [3] ''وہ دماغی طور پر ناپختہ ہوں گے۔''

کم سن اور کم فہم ہونا خوارج کی ایسی علامت ہے جو ان میں ہمیشہ پائی جاتی ہے۔ اولین خوارج بھی نو عمر اور کج فہم لوگوں کا گروہ تھا اور عصرِ حاضر کے خوارج بھی انہی صفات سے متصف ہیں، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ان میں کوئی بھی پختہ عمر کا آدمی موجود نہ ہوگا، کیوں کہ اولین خوارج میں بھی چند افراد بڑی عمر کے موجود تھے اور آج بھی اِکا دُکا معمر افراد خوارج کے گروہ میں پائے جاتے ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (3610)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (3611)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (3611)

رہا یہ سوال کہ پھر خوارج کے بارے میں مطلق طور پر کم عمر اور ناپختہ ذہن کے حامل ہونے کا کیوں کہا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیشہ عموم اور کثرت کو دیکھ کر حکم لگایا جاتا ہے۔ چونکہ خوارج کی اکثریت ''حدثاء الأسنان، سفھاء الأحلام'' کی ہوتی ہے تو ''للأكثر حكم الكل'' ''اکثریت ہی کے لیے کلی حکم ہوتا ہے۔'' کے اصول کے مطابق خوارج کے لیے یہ عام لفظ بولا گیا اور یہ اصول شریعتِ اسلامیہ میں بہت سی جگہوں پر استعمال ہوا ہے کہ اکثریت کو دیکھ کر سب پر ایک ہی حکم لگا دیا گیا۔

❁ ((يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ يَحْسِبُونَ أَنَّهُ لَهُمْ وَهُوَ عَلَيْهِمْ))[1]

''وہ قرآن پڑھیں گے اور سمجھیں گے کہ یہ ہمارے حق میں ہے، جبکہ وہ ان کے خلاف ہوگا۔''

یہ وصف بھی خوارج میں اول تا امروز پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے موقف کے حق میں قرآنِ مجید فرقانِ حمید کی آیات پیش کرتے ہیں، جبکہ وہی آیات ان کے موقف کے خلاف ہوتی ہیں، لیکن اپنی ناقص فہم کی بنا پر وہ ان دلائل کو اپنے حق میں سمجھتے ہیں، لیکن جب انھی دلائل کو صحیح طور پر پیش کیا جاتا ہے تو وہی دلائل ان کے خلاف نکلتے ہیں، کیوں کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی رکھی ہے:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿42﴾﴾ [حمٓ السجدة: ٤٢]

''اس کے پاس باطل نہ اس کے آگے سے آتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، ایک کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی طرف سے

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (1066)

اتاری ہوئی ہے۔‘‘

لہٰذا باطل پرست اپنے موقف کو قرآن مجید سے ثابت نہیں کر سکتا، بلکہ قرآن کی جس آیت کو وہ اپنے حق میں پیش کرے گا، وہی اس کے موقف کا رد کر رہی ہو گی، لیکن باطل کے دلائل ہی سے باطل کا رد کرنا ہر کسی کا کام نہیں، بلکہ یہ راسخ اہلِ علم ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔

❁ ((يَدْعُونَ إِلىٰ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَيْسُوا مِنْهُ فِيْ شَيْءٍ))[1]

’’وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائیں گے، جبکہ ان کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہو گا۔‘‘

یعنی وہ لوگوں سے کہیں گے کہ ہم قرآن کی دعوت دیتے ہیں اور آیاتِ قرآنیہ پڑھ پڑھ کر لوگوں کو اپنے موقف پہ قائل کرنے کی کوشش کریں گے، جبکہ حقیقت میں ان کا قرآن سے کوئی تعلق ہو گا نہ قرآنی احکامات سے۔ اول تا آخر تمام تر خوارج قرآن مجید کی چند آیات، مثلاً:

﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ﴾ [يوسف: ٤٠]

’’حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں۔‘‘

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾

[المائدة: ٤٤]

’’اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔‘‘

اور اس جیسی آیات پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی دعوت دیتے

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (4765)

ہیں کہ رب کی دھرتی پر رب کا نظام ہی چلنا چاہیے اور ہم شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں، لہٰذا یا شریعت لائیں گے یا شہادت پائیں گے۔ اس قسم کے نعرے اور جملے ان کی زبانوں سے سننے کو ملتے ہیں، لیکن اگر کبھی یہ وقتی طور پہ کسی خطے میں قابض ہو جائیں تو وہاں یہ لوگ شرعی قوانین کا اپنے علاوہ دوسروں پر تو نفاذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن خود شریعت کی واضح خلاف ورزیاں کرتے نظر آتے ہیں۔ جس کی بے شمار مثالیں عصرِ حاضر کے خوارج میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

الغرض یہ لوگ حاکمیت والی یہ آیات پڑھ کر حقیقت میں اللہ تعالی کی حاکمیت نہیں، بلکہ اپنی حکومت چاہتے ہیں۔

❁ ((يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حُلُوقَهُمْ))[1]

''وہ قرآن پڑھیں گے (مگر) وہ ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا۔''

❁ ((يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ))[2]

''وہ قرآن پڑھیں گے، (لیکن) وہ ان کے حلق سے تجاوز نہیں کرے گا۔''

یعنی جس طرح وہ قرآن کی طرف لوگوں کو بلائیں گے اور قرآن کی دعوت دیں گے، لیکن حقیقت میں وہ دعوت قرآن کی طرف نہیں، بلکہ اپنے خاص نظریات کی طرف اور اپنی حکومت و سلطنت کی دعوت ہوگی۔ بعینہٖ جب وہ لوگ قرآن پڑھیں گے تو بظاہر بہت اچھے انداز سے اور نہایت خوش الحانی سے قرآنِ مجید

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (6931)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (4765)

فرقانِ حمید کی تلاوت کریں گے، لیکن قرآنی احکامات ان کی آرزوؤں اور خواہشات کے مطابق نہیں ہوں گے، سو ان کی یہ تلاوتِ قرآن اور محبتِ قرآن حلق سے اوپر ہی اوپر رہے گی اور ان کے دل میں نہیں اترے گی۔

❁ «يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ البَرِيَّةِ»[1]

”وہ مخلوق کی باتوں میں سے بہترین بات کہیں گے۔“

اللہ تعالی کی حاکمیت، نظامِ خلافت اور امارت کا قیام؛ یہ ان کے خوش نما نعرے ہوں گے۔۔ بلاشبہہ یہ بات سب سے بہترین بات ہے کہ اللہ کی زمین پہ اللہ کا نظام نافذ کیا جائے اور رسول اللہ ﷺ کا بتایا ہوا نظامِ سیاست، یعنی خلافت کا نظام قائم کیا جائے۔ خوارج ہمیشہ سے یہی نعرہ لگاتے آئے ہیں اور آج تک ان کی یہی پکار ہے۔

❁ «يَقُولُونَ الْحَقَّ بِأَلْسِنَتِهِمْ لَا يَجُوزُ هَذَا مِنْهُمْ، وَأَشَارَ إِلٰى حَلْقِهِ»[2]

”وہ اپنی زبانوں سے حق کہیں گے (مگر) وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔“

یعنی ان کی یہ بات تو برحق ہوگی کہ اللہ کی شریعت کو نافذ کیا جائے اور نظامِ مصطفوی دنیا میں لاگو کیا جائے، مگر یہ حق بھی حقیقت میں ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا، کیوں کہ اللہ کی شریعت میں تو متفقہ مسلمان حاکم کے خلاف بغاوت کی سزا قتل ہے۔[3] جبکہ یہ خود مسلمان حکام کے خلاف خروج و بغاوت

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (3611)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (1066)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (1852)

کرنے والے، مسلمانوں کو مرتد اور کافر قرار دینے والے اور فتنہ وفساد بپا کرنے والے ہیں۔ تو یہ کیسے چاہیں گے کہ حقیقی شریعت کا نفاذ کیا جائے، کیوں کہ حقیقی شریعت کا نفاذ ان کے لیے پیامِ موت ہے!!

۞ ((لَا يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ))[1]

''ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اسلام اور ایمان کے زبانی دعوے کریں گے، لیکن حقیقت میں ایمان ان کے دلوں میں موجود نہ ہوگا۔ اسی بات کی تفصیل قدرے واضح الفاظ میں آگے آ رہی ہے۔

۞ ((لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ تَرَاقِيَهُمْ))[2]

''ان کی نماز ان کے حلق سے تجاوز نہیں کرے گی۔''

بظاہر خشوع وخضوع والی ان کی نمازیں محض دِکھاوا ہوں گی، کیوں کہ نماز میں تو وہ اللہ کے سامنے جھکنے اور عاجزی کرنے والے ہیں، لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی کرنے والے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی زمین پہ زندگی کا سب سے زیادہ حق رکھنے والے انسانوں سے نعمتِ حیات چھیننے والے ہوں گے۔

۞ ((يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي يَقْرَءُ وْنَ الْقُرْآنَ، لَيْسَ قِرَاءَ تُكُمْ إِلٰى قِرَاءَتِهِمْ بِشَيْءٍ، وَلَا صَلَاتُكُمْ إِلَى صَلَاتِهِمْ بِشَيْءٍ، وَلَا صِيَامُكُمْ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (3611)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (1066)

إِلَىٰ صِيَامِهِمْ بِشَيْءٍ))[1]

''میری امت میں ایک ایسی قوم ظاہر ہوگی جو قرآن پڑھے گی، تمھارا قرآن پڑھنا ان کے قرآن پڑھنے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، تمھاری نماز ان کی نماز کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتی اور نہ تمھارا روزہ ان کے روزے کے مقابلے میں کسی حیثیت کا حامل ہے۔''

((تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَكُمْ مَعَ صِيَامِهِمْ، وَعَمَلَكُمْ مَعَ عَمَلِهِمْ))[2]

''تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں، اپنے روزے کو ان کے روزے کے مقابل اور اپنے عمل کو ان کے عمل کی نسبت حقیر سمجھو گے۔''

یعنی ان کی تلاوت، نماز اور روزں میں بظاہر ایسا خشوع ہوگا کہ اہلِ اسلام اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں، اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں اور اپنی تلاوت کو ان کی تلاوت کے مقابلے میں کم تر سمجھیں گے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان خشوع وخضوع سے عبادات نہ کریں اور نہ یہ معنی ہے کہ عبادات میں خشوع خوارج کی نشانی ہے، بلکہ عبادت میں خشوع وخضوع تو دینِ اسلام کا مطلوب ہے۔ دراصل ان کی عبادات کا یہ ظاہری خشوع نمازوں کا لمبا ہونا، تلاوتِ قرآن میں رونا وغیرہ دین میں اضافے کی قبیل سے، یعنی طریقۂ نبوت سے ہٹ کر ہوگا۔

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (1066)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (5058)

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے اولین مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور نبی مکرم ﷺ انھیں فرما رہے ہیں کہ تم اپنی عبادات کو خوارج کی عبادات کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے! اس کا مطلب واضح ہے کہ ان کی نمازوں کا خشوع وخضوع رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق نہ ہو گا، نہ ان کی تلاوت نبیِ محترم ﷺ کے سکھائے گئے طریقے پر ہو گی، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو رسول اللہ ﷺ نے یہ اعمال سکھائے تھے، لیکن خوارج رسول اللہ ﷺ کے بتائے گئے طریقۂ کار سے بھی آگے بڑھ جائیں گے، جس کی بنا پر اللہ کے ہاں ان کی عبادات قبول ہوں گی نہ ان کے لیے توشۂ آخرت بنیں گی، کیوں کہ اعمال کی قبولیت کے لیے شرط ہے کہ عمل اس طریقے کے مطابق کیا جائے جو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے۔ اس میں کمی کرنا بھی جائز نہیں اور اضافہ بھی حرام ہے۔ ہر ایسا عمل جو رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر نہ ہو، وہ مردود ہے۔[1]

شاید ان کے انھی اعمال، یعنی شریعت کی مقرر کردہ حدود سے بھی آگے بڑھ جانے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان کے دین سے نکل جانے کو تیر کے شکار سے آر پار ہو جانے سے تشبیہ دی ہے کہ ان کا طریقۂ عبادت، نبوی طریقۂ عبادت کے مطابق نہ ہو گا۔ سو ان کی عبادات کا ان پہ کچھ اثر نہیں ہو گا جس طرح تیز رفتار تیر پہ شکار کا اثر نہیں ہوتا۔ اس کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

❁ ((قَوْمٌ يُحْسِنُونَ الْقِيلَ وَيُسِيئُونَ الْفِعْلَ))[2]

”وہ ایسے لوگ ہوں گے، جو باتیں تو بہت اچھی کریں گے، لیکن

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (2697)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (4765)

کرتوت بہت برے کریں گے۔“

ان کی باتیں، یعنی نفاذِ شریعت، قیامِ خلافت، غلبۂ اسلام اور حدود اللہ کے نفاذ جیسے نعرے تو بہت اچھے ہوں گے، لیکن ان کے اعمال نہایت برے ہوں گے۔ جیسا کہ سابقہ سطور میں گزر چکا کہ وہ دین میں مبالغہ آرائی کریں گے۔ ان کے اعمالِ بد کا مزید تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

❁ ((يَقْتُلُونَ أَهْلَ الإِسْلَامِ وَيَدَعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ))[1]

”وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔“

خوارج کی یہ بُری صفت ہمیشہ ان میں موجود رہی ہے۔ اولین خوارج بھی ملتِ کفر سے نبرد آزما ہونے کے بجائے مسلمانوں کے خلاف لڑے اور آج بھی ان کی یہی صورت حال ہے کہ وہ کفار کے خلاف لڑنے کے بجائے مسلمانوں کے خلاف ہی محاذِ جنگ گرم کیے ہوئے ہیں، بلکہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے کافروں سے تعاون لیتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو علی الاعلان کافروں سے مدد لیتے ہیں اور کچھ چوری چھپے۔ اور ستم بالائے ستم کہ اپنے اس فعل کو سندِ جواز بخشنے کے لیے وہ بودی دلیلیں بھی گھڑ لیتے ہیں۔

❁ ((سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ))[2] ”ان کی نشانی سر منڈوانا ہے۔“

اولین خوارج میں یہ نشانی پائی جاتی تھی اور اب بھی بعض خوارج میں یہ عادت موجود ہے۔

❁ ((آيَتُهُمْ رَجُلٌ أَسْوَدُ، إِحْدَى عَضُدَيْهِ مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ، أَوْ مِثْلُ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (3344)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (7562)

البَضْعَةِ تَدَرْدَرُ))[1]

''ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک سیاہ فام شخص ہو گا جس کا ایک بازو عورت کے پستان کی طرح ہو گا یا گوشت کے لوتھڑے کی طرح حرکت کرتا ہوا ہو گا۔''

اولین خوارج میں اس نشانی والا شخص موجود تھا، جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف قتال کیا تو لاشوں کے ڈھیر کے نیچے سے اس شخص کو نکالا گیا۔[2] یہ کون تھا؟ کہاں سے آیا؟ اس کے بارے میں کسی کو علم نہ تھا۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (3610)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٦) سن أبي داود، رقم الحديث (٤٧٦٨)

خوارج کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ))[1]

''وہ لوگوں اور مخلوقات میں سے بدترین لوگ ہیں۔''

((مِنْ أَبْغَضِ خَلْقِ اللّٰهِ إِلَيْهِ))[2]

''وہ اللہ کی مخلوق میں سے اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ لوگ ہیں۔''

یہ روئے ارض میں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ، تمام تر مخلوقات سے بدترین لوگ، کیوں نہ ہوں کہ انھوں نے اللہ کے دین کے نام پر رب کے اسلام کو بدنام کیا اور نقصان پہنچایا ہے۔ ایک مومن کا قتل اللہ رب العزت کے ہاں ساری دنیا کے ختم ہو جانے سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔[3] کیونکہ مومن کی عزت و حرمت اللہ تعالی کے نزدیک کعبے کی حرمت سے بھی عظیم تر ہے۔[4]

جبکہ خوارج کی سفاکیت و بربریت کا عالم تو یہ ہے کہ انھوں نے بے شمار

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (4765)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (1066)

[3] سنن النسائي، رقم الحديث (3986)

[4] جامع الترمذي، رقم الحديث (2032)

اہلِ ایمان کو خاک وخوں میں تڑپا دیا ہے۔ اہلِ اسلام پہ آتش و آہن کی بارش کر کے یہ ظالم خوش ہوتے ہیں اور اصلی کفار کی نسبت کلمہ پڑھنے والوں کو اپنا بڑا دشمن گردانتے ہیں۔

۞ ((يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ))[1]

''وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے گزر جاتا ہے۔''

۞ ((يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ))[2]

''وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار میں سے آر پار ہو جاتا ہے۔''

یہاں خارجیوں کو تیر اور دینِ اسلام کو شکار سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یعنی جس طرح ایک تیز رفتار تیر شکار کو لگنے کے بعد اس کے جسم کو چیرتا ہوا دوسری طرف سے نکل جاتا ہے، بالکل اسی طرح یہ لوگ اسلام کا ظاہری رنگ ڈھنگ اپنانے کے باوجود اسلام سے باہر نکل جائیں گے۔ اس بات کو رسول اللہ ﷺ نے مزید تفصیل کے ساتھ یوں بیان فرمایا ہے:

((يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يُنْظَرُ إِلٰى نَصْلِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلٰى رِصَافِهِ فَمَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلٰى نَضِيِّهِ، وَهُوَ قِدْحُهُ، فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلٰى قُذَذِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ))[3]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (3611)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (4765)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (3610)

''وہ دین سے ایسے باہر نکل جائیں گے جس طرح وہ تیر شکار سے نکل جاتا ہے، جس کے پھالے (تیر کے آگے والا دھاری دار حصہ جو جسم کو چیرتا ہے) کی طرف دیکھا جائے تو اس پہ کوئی چیز بھی نہ پائی جائے، پھر اس کے پٹھے (تیر کے پھالے اور تیر کی لکڑی کو آپس میں جوڑ کر جو چیز اس کے پھالے پہ مضبوطی کے لیے لگائی جاتی ہے) کو دیکھا جائے تو اس پہ بھی کوئی چیز نہ ہو، پھر اس کی لکڑی (تیر کے اگلے پھالے اور تیر کی پچھلے پروں کے درمیان والی لکڑی) کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کوئی چیز نہ ملے، پھر اس کے پروں کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کوئی چیز نہ پائی جائے، وہ (تیر) گوبر اور خون سے سبقت لے جا چکا ہو۔''

یعنی جس طرح ایک تیز رفتار تیر شکار کے جسم سے اتنی تیزی کے ساتھ گزرتا ہے کہ اس سے پہلے کہ جانور کے جسم کا خون یا گوبر اس تیر کو چھوئے، وہ شکار کے جسم سے پار ہو جاتا ہے اور اس تیر کے کسی بھی حصے پر اس شکار شدہ جانور کے خون یا گوبر کا کوئی نشان تک نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح یہ خارجی اسلام سے پار نکل جائیں گے کہ ان پر اسلام کا کوئی نشان تک نہیں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس واضح فرمان کی بنا پر کچھ اہلِ علم نے یہ موقف اپنایا ہے کہ اس حدیث میں یہ بات واضح ہے کہ خارجی گو بظاہر اسلام پہ عمل کرنے والے ہوں گے، لیکن چونکہ حقیقت میں وہ اسلام سے باہر ہوں گے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان خوارج کے کافر ہونے کی دلیل ہے، لہٰذا خوارج سے ان کے کفر و ارتداد اور بغاوت کی وجہ سے بالکل اسی طرح قتال کیا جائے گا جس

طرح کفار سے قتال کیا جاتا ہے۔ اس موقف پہ دلالت کرنے والے احادیث کے کچھ الفاظ آگے بھی آ رہے ہیں۔

❁ ((ثُمَّ لَا يَعُودُونَ فِيهِ حَتّٰى يَعُودَ السَّهْمُ إِلٰى فُوقِهِ)) [1]

''پھر وہ اس دین میں دوبارہ نہ لوٹیں گے، حتی کہ تیر اپنی ابتدائی جگہ کی طرف واپس نہ لوٹ آئے۔''

❁ ((لَا يَرْجِعُونَ حَتّٰى يَرْتَدَّ عَلٰى فُوقِهِ)) [2]

''وہ واپس نہیں لوٹیں گے، حتی کہ تیر اپنی ابتدائی جگہ پر الٹا نہ آ جائے۔''

یعنی جب وہ مکمل طور پہ خارجیت کے نظریے کو اپنا چکے ہوں گے تو وہ دینِ اسلام سے خارج ہو جائیں گے اور پھر انھیں دوبارہ اسلام کی طرف لوٹنے کی توفیق نہیں ملے گی۔ جس طرح کمان سے نکلنے والا تیر آگے ہی بڑھتا ہے، واپس پیچھے کو نہیں آتا، اسی طرح یہ بھی اپنے خارجیت والے نظریات میں آگے سے آگے ہی بڑھتے جائیں گے، واپس حق کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ سو اس فتنے کے خاتمے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ایسی ذہنیت کے حامل افراد کو قتل ہی کر دیا جائے۔

❁ ((لَئِنْ أَنَا أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ)) [3]

''اگر میں نے انھیں پا لیا تو میں انھیں قومِ عاد کی طرح قتل کروں گا۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (7562)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (4765)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (3344)

''عاد'' وہ قوم ہے جن کی طرف اللہ تعالی نے ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا تھا، لیکن انھوں نے کفر کیا اور اللہ کے احکامات سے روگردانی کی تو اللہ تعالی نے ان پر بادِ صرر کی صورت عذابِ غلیظ نازل فرمایا، جو ان پر آٹھ دن سات راتیں مسلط رہا، جس کے نتیجے میں وہ مرکر اسی طرح گرے، جیسے کھجوروں کے تنے گرے پڑے ہوں اور ان میں سے کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوارج کو بھی بالکل اسی طرح قتل کرنے کی خواہش کا اظہار فرما رہے ہیں کہ اگر میری موجودگی میں یہ فتنہ اٹھا تو میں انھیں بالکل ویسے ہی قتل کروں گا جس طرح قومِ عاد کو ہلاک کیا گیا، یعنی خارجی فکر رکھنے والے کسی ایک فرد کو بھی باقی نہ چھوڑوں گا، سب کو قتل کر دوں گا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ فتنہ کس قدر خطرناک ہے کہ اس میں مبتلا افراد کو زندہ رکھنا بھی نقصان دہ ہے، تبھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں قومِ عاد کی طرح نیست و نابود کرنے کی خواہش کا اظہار فرما رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ''قومِ عاد کی طرح قتل'' سے کچھ اہلِ علم نے یہ اخذ کیا ہے کہ چونکہ عاد کافر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوارج کو بھی عاد کی طرح قتل کرنے کا کہہ رہے ہیں، لہٰذا خوارج کا حکم بھی کفار والا ہی ہے اور یہ کافر ہیں۔

❀ ((فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ))[1] ''جب تم انھیں پاؤ تو انھیں قتل کر دو۔''

❀ ((فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ))[2] ''تم انھیں جہاں بھی پاؤ قتل کر دو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ اگر میرے ہوتے

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (1066)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (3611)

ہوئے یہ لوگ نمودار ہوئے تو میں انھیں قتل کر دوں گا اور اپنی امت کو بھی یہی حکم دیا کہ تم میں سے بھی جو انھیں جب بھی جہاں بھی پائے قتل کر دے۔

یہاں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ قتل کا یہ حکم اگرچہ بظاہر عام ہے، لیکن دیگر دلائل سے یہ بات واضح ہے کہ خوارج کا قتل بھی حاکمِ وقت ہی کرے گا۔ مسلمان حکمران ہی ان کے خلاف محاذِ جنگ کھولے گا اور انھیں قتل کرنے کا حکم دے گا۔ حکومت کی اجازت کے بغیر عام لوگ خوارج کو بھی قتل نہیں کر سکتے۔

❀ ((شَرُّ قَتْلَىٰ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ)) [1]

''وہ آسمان کی چھت تلے بدترین مقتول ہیں۔''

آسمان کی چھت کے نیچے، یعنی زمین پہ جتنے لوگ بھی قتل ہوتے ہیں، ان سب سے برے مقتول خوارج ہیں۔ قتل ہونے والوں میں کفار ومشرکین بھی شامل ہوتے ہیں، لیکن خارجیوں کو ان سے بھی برا مقتول قرار دیا جا رہا ہے۔

❀ ((كِلَابُ النَّارِ)) [2] ''وہ جہنم کے کتے ہیں۔''

❀ ((كِلَابُ أَهْلِ النَّارِ)) [3] ''اہلِ جہنم کے کتے ہیں۔''

خارجی جہنم میں اہلِ جہنم کے کتے ہوں گے۔ اس حوالے سے سعید بن جُہمان نے اپنے بارے میں ایک واقعہ بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''كَانَتِ الْخَوَارِجُ تَدْعُونِي حَتّٰى كِدْتُ أَنْ أَدْخُلَ مَعَهُمْ فَرَأَتْ أُخْتُ أَبِي بِلَالٍ فِي النَّوْمِ أَنَّ أَبَا بِلَالٍ كَلْبٌ أَهْلَبُ

[1] جامع الترمذي، رقم الحديث (3000)

[2] جامع الترمذي، رقم الحديث (3000)

[3] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (176)

أَسْوَدُ عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ قَالَ: فَقَالَتْ: بِأَبِي أَنْتَ يَا أَبَا بِلَالٍ مَا شَأْنُكَ أَرَاكَ هَكَذَا؟ قَالَ: جُعِلْنَا بَعْدَكُمْ كِلَابَ النَّارِ، وَكَانَ أَبُو بِلَالٍ مِنْ رُءُوسِ الْخَوَارِجِ"[1]

''خوارج مجھے دعوت دیتے تھے، حتی کہ قریب تھا کہ میں ان میں شامل ہو جاتا (لیکن شامل کیوں نہ ہوا، اس کی وجہ یہ بنی کہ) ابو بلال کی بہن نے خواب میں دیکھا کہ ابو بلال سیاہ رنگ کا کتا بن چکا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں تو اس نے پوچھا: اے ابو بلال میرا باپ تجھ پہ فدا ہو، تیری یہ کیا حالت ہے کہ میں تجھے اس طرح دیکھ رہی ہوں؟ اس نے کہا: ہم تمھارے بعد جہنم کے کتے بنا دیے گئے ہیں۔ یہ ابو بلال خوارج کے سرداروں میں سے ایک تھا۔''

اہلِ جہنم کا کتا ہونے کا اگر مجازی معنی مراد لیا جائے تو پھر یہ معنی بنتا ہے کہ یہ لوگ اہلِ جہنم، یعنی کفار کے لیے کام کرنے والے اور ان کے ایجنڈے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے ان کے دم چھلے ہوں گے، اور یہ معنی بھی بالکل واضح ہے۔

[1] السنة لعبد اللّٰه بن أحمد بن حنبل (1509)

خوارج کے خلاف جہاد کرنے والوں کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

❁ ((فَإِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ أَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[1]

''جو انھیں قتل کرے گا، اس کے لیے ان کے قتل کرنے میں اللہ کے ہاں قیامت کے دن اجر ہے۔''

❁ ((طُوبَى لِمَنْ قَتَلَهُمْ وَقَتَلُوهُ))[2]

''اس کے لیے خوشخبری ہے جو ان سے لڑے اور جسے وہ قتل کر دیں۔''

❁ ((مَنْ قَاتَلَهُمْ كَانَ أَوْلَى بِاللَّهِ مِنْهُمْ))[3]

''جس نے ان کے خلاف جہاد کیا، وہ ان کی نسبت اللہ کے زیادہ قریب ہو گا۔''

❁ ((خَيْرُ قَتْلٰى مَنْ قَتَلُوهُ))[4]

''جسے انھوں نے قتل کیا، وہ بہترین مقتول ہے۔''

خارجیوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے بہترین، یعنی افضل ترین شہدا

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (1066)

[2] سنن أبي داود، رقم الحدیث (4765)

[3] سنن أبي داود، رقم الحدیث (4765)

[4] جامع الترمذي، رقم الحدیث (3000)

ہیں۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لَوْ يَعْلَمُ الْجَيْشُ الَّذِينَ يُصِيبُونَهُمْ، مَا قُضِيَ لَهُمْ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِمْ ﷺ لَاتَّكَلُوا عَنِ الْعَمَلِ"[1]

''اگر ان پر حملہ آور لشکر کو علم ہو جائے کہ ان کے لیے ان کے نبی ﷺ کی زبانی کس (انعام) کا فیصلہ کیا گیا ہے، تو وہ (باقی اعمال چھوڑ کر) اسی عمل پر تکیہ کر لیں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوارج کے خلاف جہاد کرنے والوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی زبانی اللہ تعالی نے بہت بڑے اجر کا وعدہ کر رکھا ہے۔ ایسا اجر کہ اگر خارجیوں کے خلاف جہاد کرنے والوں کو اس کا علم ہو جائے تو اپنی نجات کے لیے صرف خوارج کے خلاف جہاد ہی کو کافی سمجھنے لگیں گے اور اپنے اسی عمل پہ تکیہ کر کے باقی اعمال کرنا چھوڑ بیٹھیں گے۔

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (1066)

اولین خوارج کے حالات

نبی مکرم ﷺ نے خوارج کے بارے میں جو پیش گوئیاں فرمائیں، انھیں ملحوظ رکھتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے دور میں اٹھنے والے فتنۂ خوارج کو فوراً پہچان لیا اور پھر ان کے خلاف جہاد کر کے اس فتنے کا خاتمہ کیا۔ خارجیوں کے سب سے پہلے اس گروہ کے حالات جاننا بھی بہت اہمیت کا حامل ہے، کیوں کہ خوارج کا یہ گروہ ایسا تھا کہ اس خاص گروہ کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ نے کچھ پیش گوئیاں فرمائی تھیں، جو اسی طرح پوری ہوئیں۔

ذیل میں ان سے متعلق چند اہم روایات پیش کی جاتی ہیں، تا کہ ان کے حالات و صفات کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خوارج سے مناظرہ:

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

جب حَروری[1] علاحدہ ہوئے، اس وقت وہ مسلمانوں سے علاحدہ ہو کر ایک گھر میں جمع تھے۔ ایک دن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس ظہر کے وقت گیا اور انھیں کہا: امیر المومنین! نماز کو تھوڑا تاخیر سے پڑھایئے گا، تا کہ میری جماعت

[1] خوارج ہی کو حروری کہتے ہیں۔ دراصل حَرورا عراق کے شہر کوفہ میں ایک جگہ کا نام ہے، جہاں سے انھوں نے بغاوت کا آغاز کیا تھا۔

چھوٹ نہ جائے۔ میں ان لوگوں سے بات چیت کرنے کے لیے جا رہا ہوں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: مجھے خطرہ ہے کہ کہیں وہ آپ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ میں نے کہا: ان شاء اللہ، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

(سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مجھے جانے کی اجازت دے دی تو) میں نے بقدرِ استطاعت سب سے اچھا یمنی سوٹ پہنا، پھر میں ان کے پاس پہنچا تو وہ قیلولہ کر رہے تھے، یہ عین دوپہر کا وقت تھا۔ میں ایسی قوم کے پاس آیا تھا کہ میں نے عبادتِ الٰہی میں ان سے زیادہ محنتی کوئی قوم کبھی نہیں دیکھی۔ ان کے ہاتھوں پر اونٹ کے زمین پر لگنے والے اعضا کی طرح گٹھے پڑے ہوئے تھے اور ماتھے پر سجدوں کی کثرت کی وجہ سے محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ جب میں پہنچا تو انھوں نے کہا: ابن عباس! خوش آمدید!

یعنی انھوں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سلام نہیں کہا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جا کر انھیں سلام کہنا دوسری روایت میں موجود ہے، لیکن خوارج چونکہ ان تمام اصحاب کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے تھے، سو انھوں نے اپنے نظریے کے مطابق نہ انھیں سلام کہا، نہ سلام کا جواب دیا۔

اسی طرح ایک روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ جب وہ پہنچے تو انھوں نے مرحبا کہتے ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیا: کس لیے تشریف لائے ہیں اور یہ خوبصورت سوٹ کیوں پہن رکھا ہے؟

اہلِ بدعت کا یہ وتیرہ ہے کہ وہ مسائل کے بجائے شخصیت پر سب سے پہلے طعن کرتے ہیں، حتیٰ کہ مسائل پہ بات چل بھی نکلے تو بھی وہ ذاتیات پہ

اترنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ خوارج بھی گھٹیا لباس پہننے کو صوفیہ کی طرح تقویٰ سمجھتے اور خوش لباسی کو برا جانتے تھے، تو جب انھوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو عمدہ لباس زیبِ تن کیے ہوئے دیکھا تو فوراً اعتراض جڑ دیا۔ اس پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں دندان شکن جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''اس سوٹ کی وجہ سے مجھ پر اعتراض کر رہے ہو؟ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس سے بھی اچھے سوٹ پہنے دیکھا ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ [الأعراف: ٣٢]

''تو کہہ کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں؟''

بعینہٖ یہ آیت مباح زینت کی حِلّت بتانے کیلیے نازل ہوئی ہے تو کیسے تم اس کی مخالفت کرتے ہو اور اسے حرام ٹھہراتے ہو؟[1]

پھر کہنے لگے: فرمایئے! کیونکر تشریف آوری ہوئی؟

میں نے کہا: میں مہاجرین وانصار اور دامادِ رسول کی طرف سے آیا ہوں اور تمھیں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتانے آیا ہوں (کہ وہ کیسی عظیم ہستیاں ہیں کہ) ان کی موجودگی میں وحی نازل ہوئی، انہی کے بارے میں ہوئی اور وہ اس کی تفسیر کو تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ (تم میں ان میں سے کوئی نہیں ہے۔ میں تمھارے پاس اس لیے آیا ہوں، تاکہ ان کا پیغام تم تک پہنچاؤں اور

[1] المستدرك على الصحيحين (7368)

تمھارا پیغام ان تک پہنچاؤں)

یہ سن کر بعض حاضرینِ مجلس کہنے لگے: اس سے بات نہ کرو۔ کچھ کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم ضرور اس سے بات کریں گے۔

میں نے پوچھا: بتاؤ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد، داماد اور آپ ﷺ پر سب سے پہلے اسلام لانے والے پر تمھیں کیا اعتراض ہے؟ حالانکہ نبی کریم ﷺ کے تمام صحابہ انھی کے ساتھ ہیں۔

کہنے لگے: ہم کو ان پر تین اعتراض ہیں۔

میں نے کہا: بتاؤ کون کون سے ہیں؟

کہنے لگے: انھوں نے دین کے معاملے میں انسانوں کو ثالث مانا، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ﴾ [یوسف: ٤٠]

''فیصلہ اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں۔''

اللہ کے اس فرمان کے بعد لوگوں کے فیصلے سے کیا تعلق؟!

میں نے پوچھا: اور کیا بات ہے؟

انھوں نے کہا: انھوں نے لڑائی کی اور قتل کیا، لیکن کسی کو قیدی بنایا نہ مالِ غنیمت حاصل کیا۔ اگر مخالفین کفار تھے تو انھیں قید کرنا اور ان کا مال لوٹنا حلال تھا اور اگر وہ مومن تھے تو ان سے لڑنا ہی حرام تھا۔

میں نے پوچھا: اور کیا بات ہے؟

انھوں نے کہا: اپنے آپ کو امیر المومنین کہلوانے سے روک دیا۔[1] اگر

[1] یہ کام سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت کیا تھا جب ان کے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان تحکیم کی ←

وہ مومنوں کے امیر نہیں ہیں تو پھر لامحالہ کافروں کے امیر ہیں۔

میں نے کہا: اچھا، یہ بتاؤ کہ اگر میں تمھارے سامنے قرآن کریم کی کوئی محکم آیت پڑھوں یا نبی کریم ﷺ کی سنت تمھیں بتاؤں، جس کا تم انکار نہ کر سکو، تو اپنے موقف سے رجوع کرلو گے؟

کہنے لگے: کیوں نہیں!

میں نے کہا: جہاں تک تمھارے پہلے اعتراض کا تعلق ہے کہ دین کے معاملے میں لوگوں کو ثالث ماننا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ [المائدة: ٩٥]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شکار کو مت قتل کرو، اس حال میں تم احرام والے ہو، اورتم میں سے جو اسے جان بوجھ کر قتل کرے تو چوپاؤں میں سے اس کی مثل بدلہ ہے جو اس نے قتل کیا، جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ﴾ [النساء: ٣٥]

''اور اگر ان دونوں کے درمیان مخالفت سے ڈرو تو ایک منصف مرد کے گھر والوں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں سے مقرر کرو۔''

← دستاویز لکھی جارہی تھی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں البداية والنهاية لابن كثير: (557/10)

میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: بتاؤ! لوگوں کی جانیں بچانے اور ان کی آپس میں صلح کے وقت لوگوں کے فیصلے کی زیادہ ضرورت ہے یا چوتھائی درہم کی قیمت رکھنے والے خرگوش کے معاملے میں؟

کہنے لگے: یقیناً لوگوں کی جانوں کو بچانے اور آپس میں صلح کروانے میں (زیادہ ضرورت) ہے۔

میں نے پوچھا: پہلے اعتراض کا تسلی بخش جواب مل گیا؟

کہنے لگے: بے شک!

میں نے کہا: جہاں تک تمھارے دوسرے اعتراض کا تعلق ہے کہ مخالفین سے لڑائی تو کی، لیکن نہ قیدی بنایا نہ مالِ غنیمت حاصل کیا۔[1] تو بتاؤ! کیا تم اپنی والدہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنانا پسند کرتے ہو؟ کیا اسے بھی ایسے ہی لونڈی بنا کر رکھنا جائز سمجھتے ہو جیسے دوسری لونڈیوں کو؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو تم کافر ہو۔ اور اگر یہ سمجھتے ہو کہ وہ مومنوں کی ماں نہیں ہے تو تب بھی تم کافر ہو لیکن دائرۂ اسلام سے خارج ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾

[الأحزاب: ٦]

''یہ نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

اب تم دو گمراہیوں کے درمیان لٹکے ہوئے ہو، جس کو چاہو، اختیار کر لو۔

---

[1] خارجیوں کا یہ اشارہ جنگِ جمل کی طرف تھا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھیوں کے درمیان ہوئی تھی۔

تم لوگ گمراہی کے گہرے غار میں دھنس چکے ہو۔

تمھارا یہ اعتراض بھی ختم ہوا یا نہیں؟

وہ کہنے لگے: جی ہاں!

میں نے کہا: جہاں تک تمھارے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے نام کے ساتھ امیر المومنین نہیں لکھوایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقعے پر قریش سے اس بات پر صلح کی کہ ان کے درمیان ایک معاہدہ تحریر ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لکھو! یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ وہ کہنے لگے: اگر ہم یہ مانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو کبھی آپ کو بیت اللہ سے روکتے نہ آپ سے لڑائی کرتے۔ لہٰذا محمد بن عبد اللہ لکھوائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! یقیناً میں اللہ کا سچا رسول ہوں، اگرچہ تم مجھے جھٹلاتے ہو، لیکن خیر، علی! محمد بن عبد اللہ لکھو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو علی رضی اللہ عنہ سے بدرجہا بہتر ہیں۔[1]

پھر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما پوچھا: یہ اعتراض بھی ختم ہوا؟

کہنے لگے: جی ہاں۔

یہ گفتگو سن کر بیس ہزار[2] خارجیوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا،[3]

---

[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ''رسول اللہ'' کا لفظ نہ لکھوایا تو ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہ رہے ہوں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اگر امیر المومنین نہیں لکھوایا تو وہ امیر المومنین کیوں نہ رہے؟

[2] تائب ہونے والوں کی تعداد روایات میں مختلف ذکر ہوئی ہے۔ سابقہ روایت میں تائب ہونے والوں کی تعداد چار ہزار مذکور ہے، جبکہ اس روایت میں بیس ہزار تائب ہونے والے اور چار ہزار باقی رہ جانے والے مذکور ہیں۔ ←

باقی چار ہزار رہ گئے جو قتل کر دیے گئے۔ [4]

---

③ خارجیوں کے بارے میں نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''پھر وہ اس (دین) کی طرف دوبارہ نہ لوٹیں گے، حتی کہ تیر واپس نہ لوٹ آئے۔'' (صحيح البخاري: 7562) جب کہ یہاں بیان ہو رہا ہے کہ چار ہزار افراد کے سوا باقی سب واپس لوٹ آئے تو یہاں ظاہری تضاد معلوم ہو رہا ہے، جب کہ حقیقت میں یہ تضاد نہیں ہے، کیونکہ نبی محترم ﷺ نے یہ جملہ ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا جو ''دین سے ایسے نکل چکے ہوں جس طرح تیر شکار سے گزر جاتا ہے۔'' یعنی مکمل اور پختہ خارجی بن چکے ہوں۔ رہے وہ لوگ جو ان کی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں، لیکن مکمل طور پہ خارجی نظریات نہیں اپناتے تو وہ سمجھانے سے واپس لوٹ آتے ہیں، ان کے بارے میں نبی مکرم ﷺ کا یہ ارشاد نہیں ہے۔ یہاں بھی جو لوگ واپس پلٹے وہ اسی دوسری قسم کے تھے اور جن کا تعلق پہلی قسم سے تھا، ان میں سے کوئی بھی خارجیت سے تائب نہیں ہوا۔

④ مصنف عبد الرزاق (18678)

خوارج کے خلاف جہاد کے کچھ حالات

زید بن وہب جہنی کہتے ہیں، وہ اس لشکر میں تھے جو سیدنا علی کے ساتھ خوارج کی طرف گیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''میری امت سے ایسی قوم نکلے گی جو قرآن پڑھیں گے، تمھارا قرآن پڑھنا ان کے قرآن پڑھنے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، تمھاری نماز ان کی نماز کے مقابل کچھ بھی نہیں اور تمھارا روزہ ان کے روزے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ وہ قرآن پڑھیں گے اور سمجھیں گے کہ وہ ان کے حق میں ہے، جب کہ وہ ان کے خلاف ہو گا۔ ان کی نماز ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی۔ وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے آر پار ہو جاتا ہے۔ اگر وہ لشکر جو ان پر حملہ آور ہونے والا ہے، یہ جان لے کہ ان کے لیے ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کیا فیصلہ کیا گیا ہے تو وہ اسی پر تکیہ کر کے عمل چھوڑ دیں! اس کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک ایسا آدمی ہو گا جس کی بازو کی کلائی نہیں ہو گی۔ اس کی بازو کی نوک عورت کے پستان کی طرح ہوگی، اس پر سفید بال ہوں گے۔

تم معاویہ اور اہلِ شام کی طرف جاتے ہواور ان لوگوں کو چھوڑ دیتے ہو، یہ تمھارے بچوں اور مالوں میں پیچھے رہتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں یقین رکھتا ہوں کہ یہی وہ لوگ ہیں (جن کے بارے میں نبی مکرم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی) یقیناً انھوں نے ناحق خون بہایا ہے اور لوگوں کے مویشیوں پر حملہ کیا ہے۔ لہٰذا اللہ کا نام لے کر چلو۔''

سلمہ بن کُہیل کہتے ہیں: مجھے زید بن وہب نے مرحلہ وار کیا کچھ ہوا، سب کچھ بتایا، حتیٰ کہ اس نے کہا: ہم ایک پُل سے گزرے تو جب ہمارا ٹکراؤ ہوا، عبد اللہ بن وہب راسبی خوارج کا سردار تھا۔ اس نے انھیں کہا: نیزے پھینک دو اور اپنی تلواریں میانوں سے نکال لو، مجھے ڈر ہے کہ یہ تمھارے ساتھ وہی معاملہ نہ کریں جو حروراء کے دن انھوں نے کیا تھا۔

انھوں نے نیزوں کو دور پھینک دیا اور تلواریں سونت لیں۔ لوگوں نے نیزوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا، وہ قتل ہو کر ایک دوسرے پہ گرے اور لوگوں میں سے اس دن صرف دو آدمی شہید ہوئے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ان میں وہ ناقص بازو والا شخص تلاش کرو۔

انھوں نے تلاش کیا تو انھیں وہ نہ ملا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کام کے لیے خود کھڑے ہوئے، حتی کہ وہ لوگوں کے ایک ڈھیر پر آئے جو قتل ہو کر ایک دوسرے کے اوپر گرے ہوئے تھے، انھوں نے کہا: انھیں ہٹاؤ، تو انھوں نے اس (بازو کٹے) کو زمین کے ساتھ (سب سے نیچے) پایا۔ یہ دیکھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا: اللہ نے سچ کہا اور اس کے رسول ﷺ نے پہنچا دیا۔

عبیدہ سلمانی ان کی طرف بڑھا اور کہا: امیر المومنین، اللہ کی قسم! جس کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں ہے، کیا آپ نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی؟

تو انھوں نے کہا: ہاں، اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ حتی کہ اس نے آپ سے تین مرتبہ قسم اٹھوائی اور آپ (علی رضی اللہ عنہ) نے قسم اٹھائی۔ [1]

عبد اللہ بن شداد کہتے ہیں:

میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔ جن راتوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے، انھی دنوں وہ عراق سے لوٹی تھیں۔

انھوں نے فرمایا: اے عبد اللہ بن شداد! جس کے بارے میں تجھ سے میں پوچھوں، کیا تو سچ سچ بتائے گا؟ مجھے اس قوم کے بارے میں بتا، جنھیں علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ میں نے کہا: میں آپ کو سچ کیوں نہ بتاؤں گا؟ انھوں نے کہا: پھر مجھے ان کا قصہ سناؤ۔

میں نے کہا: جب علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خط کتابت کی اور دو بندوں کو منصف مقرر کیا، تو قراء میں سے آٹھ ہزار لوگوں نے بغاوت کر دی اور وہ کوفے کی ایک جانب حروراء نامی جگہ پر چلے گئے۔ انھوں نے ان (علی رضی اللہ عنہ) پر تنقید کی اور کہا: تو اس قمیص سے نکل گیا ہے جو اللہ نے تجھے پہنائی تھی اور اس کی بدولت تجھے سرفرازی عطا کی تھی، پھر تو نے اللہ کے دین میں (لوگوں کو) فیصلہ کرنے والے (منصف) بنا دیا، جب کہ حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے۔

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی وہ باتیں پہنچیں جن پر وہ سیخ پا ہوئے تھے اور انھیں چھوڑ گئے تھے، تو انھوں نے حکم دیا، جس پر ایک اعلان کرنے والے

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (1066)

نے اعلان کیا کہ امیر المومنین کے پاس صرف وہ آدمی آئے جس نے قرآن یاد کیا ہو۔ جب قراء سے گھر بھر گیا تو انھوں نے ایک بہت بڑا مصحف منگوایا اور اسے اپنے سامنے رکھا، پھر اسے اپنے ہاتھ سے تھپکانے لگے اور کہنے لگے:

اے مصحف لوگوں کو بتایئے!

لوگ آپ سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے: اے امیر المومنین! آپ اس (مصحف) سے کیا پوچھتے ہیں؟ یہ تو اوراق اور سیاہی کا مجموعہ ہے! آپ کیا چاہتے ہیں؟ ہم اس (قرآن) سے جو جانتے ہیں، اس کے مطابق آپ کو بتا دیتے ہیں۔

وہ فرمانے لگے: تمھارے وہ ساتھی جنھوں نے خروج کیا ہے، ان کے اور میرے درمیان اللہ کی کتاب ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک مرد اور عورت کے جھگڑے کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ﴾ [النساء: ۳۵]

''اور اگر ان دونوں کے درمیان مخالفت سے ڈرو تو ایک منصف مرد کے گھر والوں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں سے مقرر کرو۔''

حرمت کے اعتبار سے امتِ محمد ﷺ ایک آدمی اور ایک عورت سے بڑھ کر ہے۔ انھوں نے مجھ سے اس بات کا انتقام لیا ہے کہ میں نے معاویہ سے خط کتابت کی ہے اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خط لکھا ہے، حالانکہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں تھے، جب آپ ﷺ کی قوم نے قریش کے ساتھ صلح کی تو سہیل بن عمرو آیا، رسول اللہ ﷺ نے لکھا:

((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ))

تو سہیل نے کہا: "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" نہ لکھو۔

آپ ﷺ نے فرمایا: پھر کیسے لکھیں؟

اس نے کہا: لکھو: "بِاسۡمِكَ اللَّهُمَّ"

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لکھ دو۔

پھر فرمایا: لکھو: "محمد رسول اللّٰه ﷺ"

تو انھوں نے کہا: اگر ہم یہ جانتے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کی مخالفت ہرگز نہ کرتے، پھر یہ نہ لکھا۔

تو انھوں نے لکھا: یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ نے قریش سے صلح کی۔

اللہ تعالی اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ﴾ [الأحزاب: ٢١]

"بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہو۔"

تو اسے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف بھیجا، تو میں بھی ان کے ساتھ نکلا، حتی کہ جب ہم ان کے لشکر کے درمیان پہنچے تو ابن الکواء کھڑا ہوا، اس نے لوگوں کو خطاب کیا اور کہا:

اے حاملینِ قرآن! یہ عبد اللہ بن عباس ہے، جو اس کو نہیں پہچانتا (نہ سہی) میں اسے کتاب اللہ سے پہچانتا ہوں، یہ وہی ہے جس کی قوم کے بارے میں (یہ آیت) نازل ہوئی: ﴿ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴾ [الزخرف: ٥٨] "بلکہ وہ جھگڑالو لوگ ہیں۔"

اسے اس کے ساتھی (علی رضی اللہ عنہ) کی طرف (واپس) لوٹا دو اور اسے کتاب اللہ پر مناظرہ نہ کرنے دو۔

ان کے خطبا کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا:

نہیں! (بلکہ) ہم ضرور اس سے کتاب اللہ پر بات کریں گے، تو جب یہ حق کہے گا ہم اسے پہچان لیں گے اور ہم اس کی استطاعت رکھتے ہیں، لیکن اگر وہ باطل کہے گا تو ہم اس کے باطل پہ اس کی گرفت کریں گے اور اسے اس کے ساتھی کے پاس بھیج دیں گے۔

انھوں نے تین دن تک ان سے کتاب اللہ پر مناظرہ کیا (اس مناظرے کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے)۔ ان میں سے چار ہزار آدمی واپس آ گئے، وہ سب کے سب (خروج) سے تائب ہو چکے تھے، ان میں ابن الکواء بھی تھا، حتی کہ انھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک پہنچا دیا تو علی رضی اللہ عنہ نے باقیوں کی طرف پیغام بھیجا اور کہا:

''ہمارا اور لوگوں کا جو معاملہ تھا تم دیکھ چکے ہو۔ سو اب جہاں چاہتے ہو ٹھہرو، حتی کہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جمع ہو جائے اور جہاں چاہتے ہو رہو۔ ہمارے اور تمھارے درمیان (معاہدہ) ہے کہ ہم تمھیں اس وقت تک اپنے نیزوں سے بچائیں گے جب تک تم رہزنی نہ کرو یا خون خرابہ نہ کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو پھر ہم تم پر جنگ مسلط کر دیں گے، یقیناً اللہ عزوجل خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے فرمایا: ابن شداد! انھوں (علی رضی اللہ عنہ) نے ان (خارجیوں) کو قتل کیا؟

تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! اس (علی رضی اللہ عنہ) نے ان کی طرف اس وقت تک لشکر روانہ نہیں کیا، حتی کہ انھوں نے رہزنی کی اور ناحق خون بہائے۔ انھوں

نے ابن خباب کو قتل کیا اور اہلِ ذمہ (کے قتل) کو حلال کر لیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! کیا واقعی؟

میں نے کہا: ہاں، اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔

انھوں نے فرمایا: مجھے اہلِ عراق سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ کہتے ہیں: پستان والا۔ پستان والا! وہ کیا ہے؟

میں نے عرض کی: میں نے اسے دیکھا ہے اور میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقتولین میں اس کے پاس کھڑا تھا، تو انھوں نے لوگوں کو بلایا اور پوچھا: کیا تم اسے جانتے ہو؟ تو اکثر آنے والوں نے یہی کہا کہ میں نے اسے فلاں مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا تھا، میں نے فلاں مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا تھا، اس کے سوا کوئی ٹھوس تعارف نہیں ملا، جس سے وہ پہچانا جا سکے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب اسے دیکھا تو کیا کہا، جس طرح اہلِ عراق سمجھتے ہیں؟

میں نے عرض کی: میں نے انھیں یہ کہتے سنا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: تو نے اس کے علاوہ بھی کوئی بات ان (علی رضی اللہ عنہ) سے سنی؟

میں نے کہا: نہیں!

فرمانے لگیں: ہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔[1]

[1] المستدرك للحاكم: (2657)

خوارج کے بارے میں ائمۂ دین کی آرا

① **امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی رحمہ اللہ خوارج کی تعریف میں لکھتے ہیں :**

"كل من خرج عن الإمام الحق الذي اتفقت الجماعة عليه يسمى خارجيًا سواءً كان الخروج في أيام الصحابة على الأئمة الراشدين أو كان بعدهم على التابعين بإحسان والأئمة في كل زمان" [1]

"ہر وہ شخص جو عوام کی متفقہ مسلمان حکومتِ وقت کے خلاف مسلح بغاوت کرے، اسے خارجی کہا جائے گا، خواہ یہ خروج و بغاوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں خلفائے راشدین کے خلاف ہو یا تابعین اور بعد کے کسی بھی زمانے کی مسلمان حکمرانوں کے خلاف ہو۔"

② **امام نووی رحمہ اللہ خوارج کی تعریف یوں کرتے ہیں:**

"اَلْخَوَارِجُ صِنْفٌ مِنَ الْمُبْتَدِعَةِ يَعْتَقِدُونَ أَنَّ مَنْ فَعَلَ كَبِيرَةً كَفَرَ وَخُلِّدَ فِي النَّارِ، وَيَطْعَنُونَ لِذَلِكَ فِي الْأَئِمَّةِ، وَلَا يَحْضُرُونَ مَعَهُمُ الْجُمُعَاتِ وَالْجَمَاعَاتِ" [2]

[1] الملل والنحل (ص: 114)

[2] روضة الطالبين (51/1)

’’خوارج بدعتیوں کا ایک گروہ ہے۔ یہ لوگ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کے کافر اور دائمی دوزخی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے مسلم اُمرا و حکام پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جمعہ و عیدین وغیرہ کے اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے۔‘‘

③ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”كانوا أهل سيف وقتال، ظهرت مخالفتهم للجماعة؛ حين كانوا يقاتلون الناس، وأما اليوم فلا يعرفهم أكثر الناس“[1]

’’وہ اسلحے سے لیس اور بغاوت پر آمادہ تھے، جب وہ لوگوں سے قتال کرنے لگے تو اُن کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے مخالفت و عداوت ظاہر ہوگئی۔ تاہم عصرِ حاضر میں (بظاہر دین کا لبادہ اوڑھنے کی وجہ سے) لوگوں کی اکثریت انھیں پہچان نہیں پاتی۔‘‘

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

”وَهَذِهِ الْعَلَامَةُ الَّتِيْ ذَكَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ هِيَ عَلَامَةُ أَوَّلِ مَنْ يَخْرُجُ مِنْهُمْ لَيْسُوا مَخْصُوصِينَ بِأُولَئِكَ الْقَوْمِ، فَإِنَّهُ قَدْ أَخْبَرَ فِيْ غَيْرِ هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّهُمْ لَا يَزَالُونَ يَخْرُجُونَ إِلَى زَمَنِ الدَّجَّالِ، وَقَدِ اتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ الْخَوَارِجَ لَيْسُوا مُخْتَصِّينَ بِذَلِكَ الْعَسْكَرِ، وَأَيْضًا فَالصِّفَاتُ الَّتِيْ وَصَفَهَا تَعُمُّ غَيْرَ ذَلِكَ الْعَسْكَرِ، وَلِهَذَا كَانَ الصَّحَابَةُ يَرْوُونَ

---

[1] النبوات (ص: 564)

الْحَدِيثَ مُطْلَقًا... الخ''[1]

''یہ علامت جسے نبی اکرم ﷺ نے ذکر فرمایا ہے، یہ ان لوگوں کی علامت ہے جو ان میں سے سب سے پہلے نکلیں گے اور یہ علامت انہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے اس کے علاوہ دوسری حدیث میں خبر دی ہے کہ وہ دجال کے زمانے تک نکلتے رہیں گے۔ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خوارج وہی خاص گروہ نہیں ہے (جو پہلے پہل ظاہر ہوا) اور اسی طرح جو صفات ان کی بیان کی گئی ہیں وہ اس گروہ کے علاوہ دوسروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام یہ حدیث مطلق بیان فرماتے تھے۔''

نیز امام شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

''وَكُلُّ مَنْ وُجِدَتْ فِيهِ تِلْكَ الْمَعَانِي أُلْحِقَ بِهِمْ، لِأَنَّ التَّخْصِيصَ بِالذِّكْرِ لَمْ يَكُنْ لِاخْتِصَاصِهِمْ بِالْحُكْمِ، بَلْ لِحَاجَةِ الْمُخَاطَبِينَ إِذْ ذَاكَ إِلَى تَعْيِينِهِمْ''[2]

''ہر وہ شخص یا گروہ جس میں وہ صفات پائی جائیں، اسے بھی ان کے ساتھ ملایا جائے گا، کیوں کہ ان کا خاص طور پر ذکر کرنا ان کے ساتھ حکم کو خاص کرنے کے لیے نہیں تھا، بلکہ حضور ﷺ کے زمانے کے ان مخاطبین کو (مستقبل میں) ان خوارج کے تعین کی حاجت تھی۔''

[1] مجموع الفتاویٰ (496،495/28)

[2] فتاویٰ ابن تیمیة (476/28)

④ **حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں:**

"اَلْخَوَارِجُ فَهُمْ جَمْعُ خَارِجَةٍ أَيْ طَائِفَةٍ وَهُمْ قَوْمٌ مُبْتَدِعُونَ سُمُّوا بِذَلِكَ لِخُرُوجِهِمْ عَنِ الدِّينِ وَخُرُوجِهِمْ عَلَى خِيَارِ الْمُسْلِمِينَ" [1]

''خوارج، یہ خارجۃ کی جمع ہے جس کا مطلب ہے گروہ۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو بدعات کا ارتکاب کرتے۔ ان کو دینِ اسلام سے نکل جانے اور خیارِ اُمت کے خلاف بغاوت کرنے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔''

[1] فتح الباري (283/12)

خاتمہ

خوارج کے بارے میں یہ کچھ اہم معلومات تھیں، جنھیں زیبِ قرطاس کر دیا ہے۔ اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ خارجیوں کی صحیح پہچان حاصل ہو سکے اور مسلم ممالک بالخصوص ارضِ پاک میں جاری فسادات کی اصل جڑ کو سمجھا جا سکے۔ نیز مسلم نوجوان اس فتنے کو جانیں اور اس سے بچ سکیں۔

اسی طرح خوارج سے متعلق احادیث میں وارد شدہ اصل نشانیوں اور حدیث میں مذکوران کے ظاہری حلیے اور عادات واعمال کے مابین تمیز حاصل ہو، تاکہ نصوص میں بیان شدہ کچھ اتفاقی علامات یا ظاہری صفات کو خارجیت کی نشانی نہ سمجھ لیا جائے۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے، اور امتِ مسلمہ کو فتنۂ خارجیت کے مضر اثرات سے محفوظ فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

وصلى الله على نبينا محمد وآله وسلم تسليما كثيرا.

کیا پاکستانی حکمران اور عدلیہ کافر ہے؟!

مؤلف

محمد رفیق طاہر

مقدمہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا ہے اور اس کو زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی بتایا ہے۔ اس کے اصول وضوابط اور قوانین واحکام وضع کیے ہیں جن کے مطابق زندگی گزارنا بنی آدم کے لیے ضروری ہے۔ اگر انسان ان احکامات کوملحوظ نہ رکھے تو اس کی دنیوی زندگی بھی اجیرن ہو جاتی ہے اور اخروی زندگی میں بھی عذابِ الیم ہی اس کا مقدر ٹھہرتا ہے، لیکن ان میں سے کچھ اوامر ایسے ہیں کہ جن کی خلاف ورزی کرنے پر اللہ تعالیٰ ناراض تو ہوتا ہے، لیکن ایسے لوگوں پر اس کا غصہ جلدی یا کچھ دیر میں ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور ایسے لوگ ہی بالآخر جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

یا پھر کچھ لوگوں نے اپنے رب کو اس قدر منا لیا ہو گا کہ ان کی لغزشوں سے اللہ ان کے اعلیٰ ترین اعمال کی وجہ سے درگزر فرمائے گا اور انھیں سیدھا جنت میں داخل فرما دے گا، یعنی اگر کوئی مسلمان کفر وشرک سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بعض احکامات میں نافرمانی بھی کر لیتا ہے تو اگر اس کے دل میں ایمان ہے تو بہر حال وہ جنت کا مستحق ضرور ٹھہرے گا۔

اللہ تعالیٰ کے قوانین اور احکامات کے خلاف فیصلہ کرنے والا شخص خواہ قاضی ہو، حکمران ہو، امیر و مدیر ہو، اپنے گھر کا سربراہ ہو، یا کوئی اور شخص، اگر وہ

مومن ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف فیصلہ کرنا وہ اپنے لیے حلال نہ سمجھتا ہو، لیکن جہالت و نادانی میں ایسا کر رہا ہو، یا اپنے کیے گئے فیصلے کو اللہ کے حکم سے افضل و بہتر نہ سمجھتا ہو، لیکن اپنی کسی مجبوری یا کج فہمی کی بنا پر خلافِ شرع فیصلہ نافذ کیے ہوئے ہو یا اپنے بنائے گئے قوانین کو اللہ کے قوانین کے مساوی اور برابر نہ قرار دیتا ہو، بلکہ اپنے فیصلوں کو خدائی فیصلوں کے مقابلے میں ہیچ ہی سمجھتا ہو یا اللہ کے احکامات کا انکار نہ کرے نہ انھیں جھٹلائے نہ اپنے فیصلے کو اللہ کا فیصلہ قرار دے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، ہاں عند اللہ مجرم ضرور بن جاتا ہے کہ اس نے ایک حرام کام کا ارتکاب کیا ہے۔

ایسی صورت میں اگر تو فیصلہ کرنے والے نے کسی کو نقصان پہنچانے کی خاطر یا اس کی محبت میں اسے فائدہ پہنچانے کی خاطر خلافِ شرع فیصلہ کر دیا ہے تو ایسا شخص حکمِ الٰہی کے مطابق ظالم قرار پاتا ہے اور اگر وہ اپنی خواہشات نفس کا اسیر ہو کر احکاماتِ الٰہی کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو وہ فاسق و گناہ گار ہے، لیکن عصرِ حاضر میں کچھ عاقبت نا اندیش لوگوں نے شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے والے حکام و عدلیہ کو بلا تفریق کافر اور طاغوت کہنا شروع کر دیا ہے۔ (''اَنصارانِ طاغوت'' صفحہ: 16)

جب کہ ان کہ اپنے فقہا و مجتہدین جو شریعتِ اسلامیہ کے خلاف فتوے دیتے رہے ہیں، انھیں وہ اجتہادی غلطی کی سہولت مہیا کر کے عین مسلمان سمجھتے ہیں، حالانکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ملکِ پاکستان میں نافذ قوانین فقہ حنفی کے عین مطابق ہیں، حتی کہ فقہ حنفی میں جتنے فیصلے کتاب و سنت کے صریح احکامات کے خلاف

ہیں، شاید اتنے فیصلے پاکستان کے قانون میں خلافِ شریعت نہیں، بلکہ وہ لوگ خود بھی اپنے نجی معاملات میں بے شمار خلافِ شریعت فیصلے کرتے ہیں اور کبھی اسے اپنی مجبوری قرار دیتے ہیں تو کبھی ذاتی سستی سے تعبیر کرتے ہوئے عملی کوتاہی کا نام دیتے ہیں، یعنی اگر خود یا ان کے فقہا و مفتیان شریعت کے خلاف فیصلہ دیں تو وہ کامل ایمان والے مومن قرار پاتے ہیں، لیکن اگر یہی غلطی کسی جج یا حکومت کی طرف سے ہو جائے تو اسے طاغوت قرار دیے بغیر انھیں چین نہیں آتا، حالانکہ خلافِ شریعت فیصلے کرنا صرف اس صورت میں کفر بنتا ہے جب فیصلہ کرنے والا اس خلافِ شرع فیصلے کو حکمِ الٰہی قرار دے، یا شرعی فیصلے سے بہتر یا برابر سمجھے یا شریعت کے فیصلے کو جھٹلا دے یا اس کا انکار کر دے۔ ایسا کرنے والا خواہ کوئی بھی ایک عام آدمی ہو یا حکمران یا قاضی تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ بصورت دیگر کوئی بھی شخص احکاماتِ الٰہیہ کے منافی فیصلہ کر کے کفر کا مرتکب نہیں بنتا۔

پھر اگر کوئی شخص کسی کفریہ کام کا ارتکاب کر بھی لے تو اس خاص شخص کو کافر یا مرتد اس وقت تک نہیں قرار دیا جاسکتا جب تک کسی خاص آدمی کو کافر قرار دینے کے لیے شریعت نے جو قانون مقرر فرمائے ہیں، ان پر عمل درآمد نہ کر لیا جائے، جس کی تفصیل اور شروط ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

طاغوت تو کائنات کا سب سے بڑا کافر ہوتا ہے، یعنی اکثر صورتوں میں تو خلافِ شریعت فیصلہ کرنا کفر ہی نہیں ہے اور جن صورتوں میں کفر ہے ان میں بھی کسی خاص شخص کو کافر قرار دینے کے لیے نہایت ہی باریکی کے ساتھ تحقیق

کرنا ہوتی ہے اور پھر جب اس کا کفر ثابت ہو جائے تو اس پر حجت قائم کر کے اسے کافر قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن تعجب ہے ان جوشیلے فتویٰ بازوں پر جو بیک جنبش قلم اپنے سوا سب کو کافر بنانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اس مختصر رسالے میں ہم یہی مسئلہ سمجھانے کی کوشش کریں گے کہ خلاف شریعت فیصلہ کرنے والا کون شخص کافر ہے اور کون کافر نہیں ہے اور اسے کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ اور ائمہ دین کے اقوال سے مزین کریں گے۔ إن شاء اللّٰه

محمد رفیق طاہر

22 شعبان 1434ھ

خلافِ شریعت فیصلہ کرنے والوں کا شرعی حکم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید فرقانِ حمید میں ایسے لوگوں کے لیے تین مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں، جو شریعت کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں:

① ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

[المائدة: ٤٤]

''اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔''

② ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

[المائدة: ٤٥]

''اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

③ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

[المائدة: ٤٧]

''اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔''

یعنی خلافِ شریعت فیصلہ کرنے والے کافر یا ظالم یا فاسق، یعنی گناہ گار ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر ایسے شخص کو جو خلافِ شریعت فیصلہ کرے، کافر قرار دے دینا

درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کو تین مختلف نام دیے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں سے کس قسم کے افراد خلافِ شرع فیصلہ کرنے کی بنا پر کافر بنتے ہیں اور کون سے لوگ ہیں جو ظالم یا فاسق ٹھہرتے ہیں۔

اس دوران میں یہ بات بھی خاص توجہ طلب ہے کہ اللہ رب العالمین نے حکمران، قاضی، فقیہ یا کسی عامی کے مابین فرق نہیں کیا، بلکہ تمام تر انسانوں کو تین حصوں: کافر، ظالم اور فاسق میں تقسیم کیا ہے۔ لہٰذا کسی بھی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والا شخص کیوں نہ ہو وہ خلافِ شریعت فیصلہ کرنے کی بنا پر کافر بھی ہو سکتا ہے، ظالم بھی ہوسکتا ہے اور فاسق بھی۔ پھر ان فیصلوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرق نہیں کیا کہ کس شعبۂ زندگی سے متعلق فیصلہ کفر ہے، یعنی فیصلہ خواہ عقائد سے متعلق ہو، عبادات سے متعلق ہو، معاملات سے تعلق رکھتا ہو یا حدود اللہ کے بارے میں ہو، بہرصورت وہ کفر بھی ہوسکتا ہے، ظلم بھی اور فسق، یعنی گناہ بھی!

امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں بھی لوگ خلافِ شرع فیصلہ کر لیتے تھے۔ کبھی اپنی ذات کے لیے تو کبھی کسی دوسرے شخص کے بارے میں، ان فیصلوں میں سے اکثر کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ظلم یا فسق ہی قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ [الأنعام: ٨٢]

”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔“

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ہم سے کون ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ظلم سے مراد شرکِ اکبر ہے۔''[1]

یعنی اللہ تعالیٰ کی معصیت خواہ کسی بھی پیمانے پر ہو، وہ ظلم قرار پاتی ہے اور اگر یہ نافرمانی شرکِ اکبر کی صورت میں ہو تو انسان کو ملتِ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی غلطیوں کا اعتراف فرما رہے ہیں کہ بتقاضائے بشریت ہم سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے، جسے انھوں نے لفظِ ظلم سے تعبیر کیا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جس نے اپنی لونڈی کو ناجائز سزا دی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سمجھایا، چنانچہ اس نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا تھا۔[2]

اب اس شخص کی حیثیت اپنی لونڈی کے لیے ایک حکمران کی سی تھی، لیکن اس نے اپنی لونڈی کو سزا دینے کا جو غلط فیصلہ کیا، وہ کفر نہیں تھا، بلکہ ظلم تھا۔ ایسے ہی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حجِ تمتع (حج اور عمرہ اکٹھا) کرنے سے منع کر دیا تھا۔[3] یہ فیصلہ بھی یقیناً درست نہ تھا اور انھوں نے بعد میں اس سے رجوع بھی فرما لیا تھا۔

اسی قسم کے اور بھی بہت سے فیصلے ایسے ملتے ہیں جو شرعی احکامات کے منافی تھے، لیکن فیصلہ صادر کرنے والے کو نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر قرار دیا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر کوئی ایسا فتویٰ لگایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (693)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (537)

[3] جامع الترمذي، رقم الحديث (823)

بسا اوقات انسان لاعلمی، یا اجتہادی غلطی، یا کسی مصلحت یا لالچ کے تحت غلط فیصلہ کر بیٹھتا ہے تو وہ کفر نہیں ہوتا۔

اسی بنا پر علمائے اسلام نے بھی متفقہ طور پر یہ بات کہی ہے کہ جب کوئی شخص خلافِ شریعت فیصلہ کرتے ہوئے یہ سمجھے کہ اس کا فیصلہ شریعت سے بہتر ہے تو ایسا آدمی کافر ہو جاتا ہے اور ملتِ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص شرعی فیصلے کو بہتر اور افضل سمجھتا ہو، لیکن کسی سے انتقام لینے کی خاطر خلافِ شرع فیصلہ دے دے تو وہ کافر نہیں، بلکہ ظالم ہوگا اور اگر کسی کی محبت یا رشوت وغیرہ کے لالچ میں اسے فائدہ پہنچانے کی خاطر وہ شریعت مخالف فیصلہ کرے تو وہ فاسق ہوگا۔

یہی بات شیخ ابن عثیمین نے مجموع فتاویٰ و رسائل میں کہی ہے اور سعودیہ کی دائمی فتویٰ کمیٹی کے فتاویٰ میں بھی یہی بات موجود ہے۔[1] نیز تمام تر متقدمین مفسرین نے بھی ان آیات کی تفسیر میں یہی وضاحت فرمائی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف نے شریعتِ اسلامیہ کے منافی قوانین (جن میں سے چند امور باحوالہ درج ذیل ہیں) وضع کیے:

- صدر کو سزاؤں سے مستثنیٰ قرار دیا۔[2]
- شاتمِ رسول ﷺ سے حد کو ختم کیا۔[3]
- پیسے دے کر زنا کرنے کو جائز قرار دیا۔[4]

[1] فتاویٰ ابن عثیمین (147,140/2) فتاویٰ لجنة دائمه. فتویٰ نمبر (5741،5226)
[2] هدایه (99/4) ط البشریٰ.
[3] هدایه (598/2) عالمگیري (253/2)
[4] فتاویٰ عالمگیري (149/2) البحر الرائق (30/5)

- گونگے بہرے کو حدود معاف کر دیں۔[1]
- دارالحرب میں عام زنا کر کے آنے والے پر حد کو ساقط قرار دیا۔[2]
- کتابوں اور قرآن مجید کی چوری کرنے والے کا ہاتھ نہ کاٹنے کا قانون پاس کیا۔[3]
- بردہ فروش (بچے اغوا کر کے بیچنے والے) پر حد کو ختم کر دیا۔[4]
- مساجد سے چوری کرنے کو جائز بنا دیا۔[5]
- پہرے دار اور محافظ کی موجودگی میں دکانوں سے چوری کرنے والے کو کھلی چھوٹ دی۔[6]

فقہ حنفی کے ان قوانین کے مطابق ایک عرصہ تک حنفی قاضی عدالتوں میں فیصلے کرتے رہے، لیکن اس سب کچھ کے باوجود کسی نے بھی نہ تو فقہائے احناف کو کافر قرار دیا اور نہ فقہ حنفی کے مطابق فیصلہ کرنے والے حکمرانوں اور قاضیوں پر کسی نے کفر کا فتوی لگایا، کیونکہ شریعتِ اسلامیہ اس کی اجازت نہیں دیتی، مگر صد افسوس کہ آج فقہ حنفی کے انہی قوانین کے مطابق پاکستانی عدالتوں میں مقدمات کے فیصلے کیے جانے لگے تو چور مچائے شور والی صورت پیدا ہوگئی اور

---

[1] فتاویٰ عالمگیري (149/2)

[2] فتاویٰ عالمگیري، (149/2)

[3] الهداية، كتاب السرقة باب ما يقطع في هو ما لا يقطع" (146/4) ط البشریٰ کراچی.
هدايه، (144/4) فتاویٰ عالمگیري (177/2)

[4] (145/4) ط البشریٰ.

[5] الهداية، كتاب السرقة، باب ما يقطع فيه، (145,144/4)

[6] هدايه (154/4)

حنفیت کے علمبرداروں ہی نے انھیں طاغوتی عدالتیں، طاغوتی حکمران اور طاغوتی فیصلوں کے لقب سے نوازنا شروع کر دیا، لیکن ان جاہلوں کو یہ علم نہیں ہے کہ اگر ان کی بات درست تسلیم کر لی جائے تو فقہ حنفی کا ہر مفتی طاغوتی مفتی اور ان کا ہر دارالافتاء طاغوتی فتویٰ سنٹر قرار پاتا ہے۔ فاعتبروا یا أولي الأبصار ....!

تکفیری دلائل کا علمی محاکمہ

پہلی دلیل:

شیخ محمد بن ابراہیم اور صالح فوزان نے کہا ہے کہ ایسا حکمران جو پوری شریعت کے قوانین کو چھوڑ کر اپنے یا کسی اور کے قوانین کو نافذ کرتا ہے اور اپنے ماتحت سب پر لاگو کر دیتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس نے ان قوانین کو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں سے افضل اور بہتر سمجھا ہے۔

محاکمہ:

أولاً: یہ دلیل اس قابل ہی نہیں ہے کہ دلیل بن سکے! کیونکہ شرعی مسائل واحکام میں دلیل تو صرف وحیِ الٰہی، یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ ہی بن سکتی ہے۔ کسی بھی فقیہ یا محدث یا مفتی کا فتویٰ جب تک قرآن و حدیث کے دلائل سے مزین نہ ہوگا، شریعتِ اسلامیہ میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔

ثانیاً: یہ موقف قرآن مجید، فرقانِ حمید کے اس شرعی حکم کے خلاف ہے جس میں شک کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ [الحجرات: ۱۲] کیونکہ اس موقف میں فیصلہ نافذ کرنے والے کی نیت پر شک کیا گیا ہے کہ اس نے اپنے فیصلے کو خدائی فیصلے سے افضل و بہتر ہی سمجھا ہوگا، جب کہ دلوں کے بھید تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور پھر شک کی بنیاد پر تو اسلام میں نہ کوئی حد قائم کی

جاتی ہے اور نہ تعزیری سزا دی جا سکتی ہے، جب کہ یہ تو کفر اسلام کا معاملہ ہے، اس میں شک پر بنیاد رکھنا کیسے جائز ہوگا؟ حتی کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی میں یہ شرعی قاعدہ نقل کیا ہے کہ جس شخص کا اسلام یقین سے ثابت ہو جائے، اسے محض شک کی بنیاد پر دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔[1]

ثالثاً: جس طرح یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ اس فیصلہ نافذ کرنے والے نے یہ سمجھ کر فیصلہ نافذ کیا ہوگا، اسی طرح یہ بھی احتمال پایا جاتا ہے کہ ہوسکتا ہے اس نے اس وجہ سے نہ نافذ کیا ہو، بلکہ کسی سے انتقام کی خاطر یا دنیوی منفعت و لالچ کی بنا پر ایسا کیا ہو اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس نے اس کے لیے کسی تاویل کا سہارا لیا ہو، یا اسے اس بارے میں خدائی فیصلے کا صحیح طور پر علم ہی نہ ہو اور یہ شرعی اصول سب کے ہاں مسلم ہے کہ جب کسی بارے میں مختلف احتمالات موجود ہوں تو اس وقت کسی ایک بات کو بلا دلیل ترجیح دینا جائز نہیں ہوتا۔

رابعاً: انھی خامیوں اور کمزوریوں کی بنا شیخ ابن عثیمین نے اپنے پرانے موقف سے رجوع بھی کر لیا تھا، کیونکہ انھوں نے اپنی آڈیو کیسٹ ''التحذير في مسئلة التكفير'' میں جسے 1420/3/22ھ کو ریکارڈ کیا گیا، یہ فتویٰ دیا تھا کہ اگر کوئی حکمران قانون نافذ کرے اور اسے دستور بنا دے جس پر لوگ چلتے رہیں اور اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اس میں ظالم ہے، حق تو قرآن وسنت میں ہے تو ہم ایسے شخص کو کافر نہیں کہہ سکتے، کافر تو وہ ہے جو

---

[1] فتاویٰ (466/12)

غیر اللہ کے فیصلے کو بہتر سمجھے یا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے برابر سمجھے۔
شیخ ابن عثیمین کا یہ فتوی کتابی شکل میں بھی موجود ہے۔[1]

دوسری دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [المائدة: ٤٤]

''اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔''

محاکمہ:

ظاہری طور پر تو اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو چھوڑا تو وہ کافر ہو جائے گا، لیکن اس آیت سے یہ ظاہر معنی مراد نہیں ہے۔ اس کی قدرے وضاحت تو ہم سابقہ سطور میں کر چکے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں کو الٰہی فیصلوں سے برتر سمجھتے ہیں یا مساوی قرار دیتے ہیں۔ اسی لیے امام ابن حزم رحمہ اللہ نے سورت مائدہ کی ان تینوں آیات کی تفسیر کرنے کے بعد فرمایا: ''تو معتزلہ پر لازم ہے کہ وہ ہر گناہ گار ظالم اور فاسق شخص کو کافر قرار دیں، کیونکہ کسی بھی قسم کی نافرمانی اور معصیت کرنے والے نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ فیصلے کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔''

تیسری دلیل:

بعض لوگ اس آیتِ کریمہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

[1] مجموعہ فتاویٰ و رسائل شیخ ابن عثیمین (50,45/2)

﴿ اَفَحُكْمَ الْجٰهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴾ [المائدة: ٥٠]

''پھر کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے، ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔''

محاکمہ:

اس آیت کا مطلب تو صاف واضح ہے کہ جو شخص اللہ کے حکم سے دوسرے احکام کو بہتر سمجھتا ہے وہ اللہ پر یقین رکھنے والا، یعنی مومن نہیں، بلکہ کافر ہے اور اس مسئلے میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اہلِ ایمان کے لیے فیصلے کے اعتبار سے اللہ سے بہتر کوئی نہیں، لیکن وہ شخص جو اللہ کے حکم کو چھوڑتا ہے، لیکن وہ بہتر اللہ ہی کے حکم کو سمجھتا ہے، وہ کافر ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق اس آیت میں کوئی وضاحت اور دلیل نہیں ہے۔

چوتھی دلیل:

کچھ علما نے اس آیتِ کریمہ کو بھی بطور دلیل پیش کیا ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ [النساء: ٦٥]

''پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کر لیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔''

محاکمہ:

اس آیت سے مراد کفرِ اکبر، یعنی ایسا کفر نہیں جو انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دے، بلکہ مراد کفرِ اصغر، یعنی کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ یہ آیت ایک بدری صحابی کے بارے میں نازل ہوئی تھی جن کا سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ جب معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں فرما دیا تو اس نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ اس لیے دیا ہے کہ وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرما دی۔[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ وہ آیت ہے جسے خوارج ایسے حکمرانوں کی تکفیر کے لیے بطور حجت پیش کرتے ہیں جو اللہ کے نازل کردہ فیصلوں کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں۔[2]

یعنی بقول امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس آیت سے کفرِ اکبر مراد لینا اور حکام کی تکفیر کرنا خارجیوں کا وتیرہ ہے، کیونکہ اگر اس آیت سے تکفیر کرنا جائز ہو تو اس بدری صحابی کی تکفیر بھی لازم آتی ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

پانچویں دلیل:

کچھ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (2059)

[2] منهاج السنه (131/5)

أُمِرُوٓا۟ أَن يَكْفُرُوا۟ بِهِۦ ۖ وَيُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ [النساء: ٦٠]

''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو گمان کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں جو تیری طرف نازل کیا گیا اور جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا۔ چاہتے یہ ہیں کہ آپس کے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر دے، بہت دور گمراہ کرنا۔''

محاکمہ:

یہ آیت بھی حکمرانوں اور عدلیہ کو کافر قرار دینے کے لیے دلیل نہیں بنتی، کیونکہ اس آیت میں طاغوت سے فیصلہ کروانے سے روکا جا رہا ہے، جب کہ پاکستانی عدلیہ اور حکام کا طاغوت ہونا ہی ثابت نہیں ہے، جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں واضح کر آئے ہیں کہ ان کی تو تکفیر بھی نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ انھیں طاغوت قرار دیا جائے۔ طاغوت تو بدترین اور سرکش قسم کا کافر ہوتا ہے، یعنی کسی کو طاغوت کہنے کا مطلب اسے بدترین اور غلیظ ترین کافر قرار دینا ہوتا ہے۔ اب جس شخص کا کافر ہونا ہی ثابت نہیں ہوسکا تو کیسے ممکن ہے کہ اسے طاغوت قرار دے دیا جائے، کیونکہ طاغوت تو وہ ہوتا ہے جو لوگوں سے اپنی عبادت کروائے، علمِ غیب اور اس طرح کی دیگر خدائی صفات کا دعویٰ کرے، جیسا کہ فرعون اور نمرود وغیرہ نے کیا تھا۔

چھٹی دلیل:

یہ دلیل بڑی شدو مد کے ساتھ پیش کی جاتی ہے کہ تاتاریوں نے جب

اپنے قوانین کے مجموعہ ''الیاسق'' نامی کتاب کو دستور بنا کر نافذ کر دیا تو علمائے امت نے انھیں کافر قرار دے دیا اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تو ان کے کافر ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ آج کے حکمرانوں نے بھی خود ایک مسودۂ قانون بنا کر لوگوں پر نافذ کیا ہوا ہے، جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

محاکمہ:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تاتاریوں کے کفر پر جو اجماع نقل کیا ہے وہ درست ہے کہ تاتاری کافر تھے، ان کے کفر کی کئی ایک وجوہات تھیں، کیونکہ وہ اپنے ایجاد کردہ قوانین کے مجموعہ ''الیاسق'' کو الٰہی قوانین سے اعلیٰ و بہتر سمجھتے تھے اور انھیں اپنے لیے حلال قرار دیتے تھے، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔[1] اسی طرح خود حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں سورت مائدہ (آیت نمبر: 50) کی تفسیر کرتے ہوئے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

جب کہ پاکستان کے موجودہ مسودۂ قانون میں یہ بات موجود نہیں ہے، بلکہ بات اس کے برعکس ہے، کیونکہ 1973ء کے آئین اور پاکستان کی قراردادِ مقاصد میں یہ بات درج ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی قانون بھی قرآن و حدیث کے خلاف نہیں بن سکتا اور جب بھی کوئی قانون بنایا جاتا ہے تو اس پر نہایت غور خوض اور بحث و مباحثہ کے بعد اسے پاس کیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ راہنمائی کرنے والے روپے پیسے کے لالچ میں صحیح راہنمائی نہیں کرتے اور پھر اگر کوئی

[1] فتاویٰ (532/28)

قانون شریعت کے خلاف بن جاتا ہے تو حکمران یا عوام یا عدلیہ میں سے کوئی بھی اسے قرآن وسنت کے مقابلے میں افضل و بہتر نہیں سمجھتا۔

ساتویں دلیل:

بعض لوگ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا ہے: ایسے حکمران کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن کی تعظیم دل سے تو کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے یا قرآن مجید کی بے حرمتی کرتا ہے تو ایسے شخص کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ زبان سے صراحت کرے، بلکہ اس کا یہ عمل ہی کافی ہے کہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

محاکمہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ کو یا امام الانبیاء جنابِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے، وہ کافر و مرتد ہو جاتا ہے، اگرچہ فقہ حنفی ایسے شخص کے بارے میں نرم گوشہ رکھتی ہے، جیسا کہ ہدایہ [1] میں اس شاتمِ رسول کو جو ٹیکس دیتا ہو، واجب القتل نہیں قرار دیا گیا، حتی کہ حنفی فقیہ ابن نجیم حنفی لکھتا ہے:

> "مومن کا دل نفسِ مسئلہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کے بارے میں مخالف (امام شافعی رحمہ اللہ) کے قول کی طرف مائل ہوتا ہے، لیکن ہمارے لیے اپنے مذہب کی اتباع ضروری ہے۔" [2]

لیکن بہر حال محدثینِ کرام کا طبقہ اسے واجب القتل ہی قرار دیتا ہے۔ مگر

---

[1] كتاب السير (598/2) فتاوىٰ عالمگيري (253/2)

[2] البحر الرائق، كتاب السير (115/5)

خلافِ شرع فیصلہ کرنے اور اللہ یا اسکے رسول ﷺ کو گالی دینے کا معاملہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر سب وشتم کرنے والے کے کفر پر اجماع ہے اور خلافِ شرع فیصلہ کرنے والے کے کفر پر کوئی اجماع نہیں، حتی کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید فرقانِ حمید میں بھی ایسے لوگوں کو تین مختلف طبقات، یعنی کافر، ظالم اور فاسق میں تقسیم کیا ہے۔

باقی رہی بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کی، تو اپنے قول کا مفہوم وہ خود صحیح طور پر سمجھنے والے تھے اور انھوں نے اسے واضح بھی کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''شرع مبدل (تبدیل شدہ شریعت) وہ جس میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھا جائے یا لوگوں پر جھوٹی شہادتوں کے ذریعے سے جھوٹ باندھا جائے اور یہ کھلا ظلم ہے، سو جس نے یہ کہا: ''یہ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں سے ہے'' تو وہ بلا نزاع کافر ہے۔''[1]

یعنی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حکمران کے کافر ہونے کی بات کر رہے ہیں جو اپنے بنائے ہوئے قوانین کو الٰہی قوانین قرار دیتا ہے اور اس کے کفرِ اکبر ہونے میں ہمیں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص خود قانون بنائے اور پھر یہ کہے کہ یہ اللہ کا قانون ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ جب کہ ہمارے معاشرے میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دستورِ پاکستان، یا قانونِ پاکستان کو خدائی قانون قرار دیا جاتا ہے نہ انھیں خدائی قانون کا درجہ دیا جاتا ہے۔

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ (268/3)

خاتمہ

اس ساری بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بہت سی صورتوں میں خلافِ شرع فیصلہ کرنا کفر نہیں بنتا اور جن صورتوں میں کفر بنتا ہے ان میں بھی کسی خاص شخص کو کافر قرار دینے سے پہلے دینِ اسلام میں کسی کو کافر قرار دینے کے اصول لاگو کرنا ہوں گے اور اس پر حجت قائم کرنا ہوگی۔ تکفیر کے اصول وقوانین کو بالائے طاق رکھ کر کسی کو کافر قرار دینا یہ خوارج کا منہج اور طریقہ کار ہے۔

خودکش دھماکے

شریعت کی میزان میں

مؤلف

محمد رفیق طاہر

مقدمہ

یہ بات تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ خودکش دھماکوں میں مسلمانوں کی بے شمار جانیں ضائع اور املاک تباہ کر دی جاتی ہیں، جس کے نتیجے میں اہلِ اسلام میں خوف و ہراس پھیلتا ہے اور مسلمان ہی بدنام ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی معیشت کا بھی ستیاناس ہوتا ہے اور سیکڑوں یتیموں اور بیواؤں کا بوجھ امتِ مسلمہ کے کندھوں پر آن پڑتا ہے۔

دشمن اہلِ اسلام کو داخلی طور پر کمزور دیکھ کر ان پر یلغار تیز کر دیتا ہے اور خانہ جنگی کی سی صورت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کفار کی خفیہ ایجنسیوں کو کُھل کھیلنے کا موقع ملتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ سب دھماکے جو اسلامی مما لک اور بالخصوص پاکستان میں کیے جاتے ہیں، ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مملکتِ خدا داد پاکستان کو ایک غیر محفوظ ریاست ثابت کرکے اس کے جوہری اثاثوں کی حفاظت کے بہانے سے ہمیشہ کے لیے اس نعمت خداوندی سے محروم کر دیا جائے اور پھر اسلام کے اس قلعے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے، کیونکہ دنیا میں جب کبھی کسی جگہ مسلمانوں پر ظلم وستم ہوتا ہے تو ان کی نظریں پاکستان ہی پر جمتی ہیں کہ یہی وہ ملک ہے جہاں سے اسلام اور اہلِ اسلام کا دفاع ممکن ہے۔

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ جب بھی مسلمان مغلوب ہوئے ہیں تو کبھی

کسی کافر نے بزورِ شمشیر انھیں مغلوب نہیں کیا، بلکہ مسلمانوں ہی میں غدار پیدا کیے گئے اور اسلام کے قلعے کی فصیل کبھی نہیں ٹوٹی، بلکہ ہمیشہ اس کے دروازے اندر ہی سے کھولے گئے ہیں۔ آج بھی شریعت یا شہادت کے خوش نما نعرے کے ساتھ خارجیوں کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے فی سبیل اللہ فساد کرنے والے شہیدی (خودکش) حملوں کے نام پر سرزمینِ پاکستان کو آتش و آہن کی لپیٹ میں دیے ہوئے ہیں اور زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ اے دنیا کے طاغوتو! ہم نے پاکستانیوں کو اندر سے الجھا رکھا ہے، اب تم ہمت کرو اور اس کی سرحدوں کو توڑ کر جلدی سے داخل ہو جاؤ، تاکہ ہم تمھارے ساتھ مل کر شریعت نافذ کریں!

جی ہاں! ائمہ کفر کے زیرِ سایہ شریعتِ اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ ان دھماکوں کے ماسٹر مائنڈز سے لے کر قتل ہونے والے خودکش بمباروں تک سب کے سب صرف مسلمانوں پر بارود برساتے ہیں اور انھوں نے کبھی آج تک بت پرستوں کو غصیلی آنکھ سے بھی نہیں دیکھا! ان کی دھمکیوں اور دھماکوں کا ہدف صرف رب ذوالجلال کے حضور سربسجود ہونے والے لوگ ہی ہیں۔ بت کدوں کو تحفظ دینے کے لیے مساجد و مدارس کا استحصال ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ ارضِ پاکستان کو دار الحرب اور دار الکفر قرار دے کر کبھی افواجِ پاکستان، عدلیہ و مقنّنہ اور دیگر حکومتی ادارے ان کی شر انگیزیوں کا محور بنتے ہیں تو کبھی عوامِ پاکستان۔

الغرض ان کا کوئی بھی تیر مسلمانوں کے متفقہ دار الحرب و دار الکفر امریکہ و انڈیا کے خلاف استعمال نہیں ہوتا، اور اس پر مستزاد یہ بھی ایک سوالیہ نشان ہے کہ ان کے پاس یہ بھاری اسلحہ، گولہ و بارود کہاں سے آیا کہ افغان طالبان بھی ان سے

اعلانِ براءت کر چکے اور انھوں نے کسی کافر پر حملہ آور ہو کر مالِ غنیمت بھی حاصل نہیں کیا! کہیں ان کی سپلائی ''یاروں'' کے گھر سے تو نہیں آ رہی؟

وہ اسی نمک حلالی کے ذوق میں انھیں کچھ کہنے سے قاصر ہیں۔ وہ ہندوستان کے بت پرستوں کو کچھ کہہ بھی کیوں سکتے ہیں کہ انھوں نے ان ہنومان کے پجاریوں کے زخموں پر مرہم رکھا ہے۔ جی ہاں! وہ زخم جو انھیں مقبوضہ کشمیر میں لگے تھے، جس کی وجہ سے ہندوستان کی آدھی فوج مقبوضہ وادی میں مصروف ہوگئی ہے۔ اس کا بدلہ چکانے کے لیے پاکستان میں جا بجا دھماکے کر کے پاک فوج کو بھی سرحدوں کی حفاظت کے بجائے ارضِ پاک کے گلی کوچوں میں مصروف کر کے، قبائلی علاقوں میں الجھا کر کئی ایک مقبوضہ کشمیر پیدا کرنا چاہتے ہیں، تاکہ جب انڈیا یا امریکہ اچانک حملہ کرے تو افواجِ پاکستان اپنے ہی شہروں میں پھنس چکی ہو اور یہ کام ایک مضبوط پلاننگ کے تحت کیا جا رہا ہے، جس کا نہ چاہتے ہوئے بھی اظہار امریکہ کی طرف سے کیا جا چکا ہے کہ ''ہمارا اصل ہدف افغانستان و عراق نہیں، بلکہ پاکستان تھا!!

وہ پاکستان کے خلاف ڈرون حملوں اور داخلی خودکش دھماکوں کے ذریعے محاذ گرم کیے ہوئے ہیں، کیونکہ کرگسوں میں اتنی جرأت کہاں کہ وہ میرے شاہینوں اور شہبازوں سے پنجہ آزمائی کر سکیں، بلکہ ان کی آنکھ میں آنکھ ڈالنے کی سکت سے بھی محروم ہیں۔ ہاں پتھر کے دور میں پہنچانے جیسی گیدڑ بھبکیاں ضرور لگاتے رہتے ہیں، جب کہ مفت کے مفتی، جن کے فتووں کا کوئی بھی بھاؤ نہیں ہے، وہ کتاب و سنت کے دلائل کو توڑ مروڑ کر اس خانہ جنگی کے لیے جواز

فراہم کر رہے ہیں اور ان دھماکوں کو نفاذِ اسلام اور غلبۂ اسلام کی کوششوں سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ مسلم امت کے ناحق خون کو کبھی قتلِ خطا کہہ دیا جاتا ہے اور کبھی اس کے جواز کی بودی دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔ کبھی اس جرم بے جرم کی پاداش میں بہنے والے خون کو اپنی مجبوری کے رنگ میں چھپانے کی سعی لاحاصل کی جاتی ہے۔

یاد رہے کہ ملکِ پاکستان شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ ہی کے لیے معرضِ وجود میں آیا تھا، لیکن کچھ داخلی و خارجی مجبوریاں اور کچھ اپنوں کی کرم فرمائیوں کے نتیجے میں یہ خواب تا حال صحیح طور پر شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا، تاہم ہر سچا مسلمان اپنے سینے میں آج بھی یہ تڑپ اور طلب لیے ہوئے ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر حاصل کیا جانے والا قطعۂ ارضی اللہ کے نظام پر چلنے والی مثالی ریاست بن جائے، لیکن اس کا طریقہ کار جو اہلِ فساد نے اپنا رکھا ہے، تمام تر اہلِ نظر اس سے اختلاف رکھتے ہیں، کیونکہ شریعت کا نفاذ صرف اور صرف اس طریقے سے ممکن ہے جسے رہبرِ شریعت، امام الانبیاء، جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنایا تھا اور وہ طریقہ و منہج قتل و غارت گری، مسلمانوں کی جان و مال کے ضیاع، خوف و ہراس پھیلانے اور بغاوت کرنے والا نہ تھا، بلکہ وہ طریقہ عقیدہ و عمل کی احسن انداز میں دعوت دے کر دلوں پر تسلط قائم کرنے کا تھا کہ جس کے نتیجے میں پہلی اسلامی حکومت مدینہ منورہ میں قائم ہوئی اور جس کے نتیجے میں تلوار چلائے بغیر مکہ فتح ہوا۔

اسلام نے تلوار صرف وہاں اٹھائی ہے، جہاں اسے دعوت کے راستے مسدود نظر آئے اور زورِ بازو آزمانے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ بچا یا پھر دشمنوں کے حملوں کو روکنے کے لیے جہاد کیا گیا، لیکن اس میں بھی قتلِ عام کی

اجازت نہ تھی، بلکہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنا تو سرے ہی سے ممنوع تھا، حتیٰ کہ ان جوانوں کو بھی تہ تیغ کرنے سے روک دیا گیا جو ہتھیار گرا دیں اور مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہوں، جب کہ فسادیوں کے ان دھماکوں اور خودکش کارروائیوں میں جان بوجھ کر بے گناہ بچوں اور عورتوں کو قتل کیا جاتا ہے، نہتے شہریوں کو خاک و خون میں نہلا دیا جاتا ہے اور اکثر و بیشتر اپنے اس ہدف تک رسائی میں ناکامی ہی ہوتی ہے کہ جسے ہدف بنانا شرعی طور پر بھی درست نہیں ہوتا۔

زیرِنظر کتابچے میں ہم اسی بات پر بحث کریں گے:

1. کسی بھی مسلمان کو جان بوجھ کر یا انجانے میں قتل کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
2. جاہل مفتیوں نے ان دھماکوں کے جواز میں جو فتاویٰ دیے ہیں، ان کی کیا حقیقت ہے؟
3. دھماکے کے انداز اور طریقۂ کار کو اسلام میں کیا حیثیت حاصل ہے؟
4. پاکستان میں کیے جانے والے دھماکوں کا فائدہ کسے اور نقصان کس کو ہوا ہے؟

محمد رفیق طاہر

جمادی الثانیہ 1434ھ

خونِ مسلم کی حرمت

اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مسلمان جان کی قدر و قیمت بہت ہی زیادہ ہے، حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمانِ ذی شان کے مطابق: ''ساری دنیا کا تباہ ہو جانا ایک مومن کے قتل کی نسبت اللہ کے ہاں معمولی ہے۔''[1]

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو ابدی جہنم کی وعید سنائی ہے جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے۔ [النساء: ٩٣] اگر کوئی غلطی سے کسی مومن کو قتل کر بیٹھے تو اسے بھی اللہ رب العزت نے غلام کو آزاد کرانے اور دیت ادا کرنے کے بھاری جرمانے کی سزا سنائی ہے۔[النساء: ٩٢]

اور کسی مسلمان کو قتل کرنے کی اجازت کسی کو بھی نہیں دی، ہاں بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر صرف تین قسم کے مسلمانوں کا قتل جائز قرار دیا، یعنی شادی شدہ زانی، قاتل اور مرتد کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے، لیکن یہ کام بھی ہر ایک شخص کے سپرد نہیں کیا، بلکہ صرف اور صرف مسلمان حکمران اور عدلیہ کی ذمے داری ٹھہرائی ہے کہ وہ یہ کام سرانجام دیں۔[2]

لیکن اس سے قبل شدید پابندیوں اور چھان بین کا اصول مقرر فرمایا ہے،

---

[1] سنن النسائي، رقم الحديث (3986)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (4745)

محض شک یا الزام کی بنا پر کسی کو قتل نہ کر دیا جائے، مثلاً: زنا کے بارے میں چار ایسے عادل گواہوں کی شرط رکھی ہے، جنھوں نے اپنی آنکھوں سے زنا ہوتے ایسے دیکھا ہو جیسے سرمچو سرمہ دانی میں داخل ہوتا ہے۔[1]

پھر صرف یہی نہیں کہ مسلمان کے قتل سے روکا گیا ہے، بلکہ مسلمان کے معاہدات کی بھی تکریم کی گئی اور اگر کسی کافر کو کوئی بھی مسلمان پناہ دے دے تو تمام تر مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا کہ وہ اس کافر کی جان و مال کی بھی حفاظت کریں۔[2] اگر کوئی شخص ایسے کافر کو قتل کر دیتا ہے جسے کسی مسلمان نے پناہ دی ہو یا اس کے ساتھ امن و معاہدہ کر رکھا ہو تو اس کے لیے جنت تو کجا جنت کی خوشبو سے بھی محرومی کی وعید سنائی گئی ہے۔[3] نیز اگر کوئی شخص غلطی سے کسی معاہدِ (امن معاہدہ والے) کافر کو قتل کر دیتا ہے تو اسے بھی سو اونٹ بطورِ دیت ادا کرنا ہوں گے اور ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا پڑیں گے۔[النساء: ۹۲]

جب کہ ان خودکش دھماکوں میں صرف اور صرف یہی لوگ ہدف بنتے ہیں، یعنی بے گناہ مسلمان یا پھر مسلمان ملک کے ساتھ امن معاہدہ کر کے آنے والے کفار، لیکن یہ جاہل حملہ آور اس کبیرہ گناہ کو ثوابِ عظیم سمجھ کر سرانجام دیتا ہے، حالانکہ اسلام میں ان لوگوں کا قتل کسی بھی صورت جائز نہیں ہے۔ پھر ستم بالائے ستم کہ یہ دھماکے کیے بھی ایسی جگہوں پر جاتے ہیں کہ جن کے بارے میں

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (4428)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (3179)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (3166)

کوئی ذی شعور مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا۔ اللہ کے گھر مساجد، اسلام کی چھاؤنیاں مدارس اور عوام الناس کے جمع ہونے کی جگہوں، مثلاً: مارکیٹوں اور بازاروں کو ہدف بنایا جاتا ہے یا پھر دیگر ممالک سے آنے والے غیر مسلم جو ایک امن معاہدے کے تحت یہاں داخل ہوئے ہیں اور ان کا کام ہمارے ہی ملک کی تعمیر و ترقی ہے یا سیر و سیاحت ان کا مشغلہ ہے۔

پھر اسلام نے تو کسی مسلمان کو ڈرانے اور دہشت زدہ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔[1] جب کہ ان دھماکوں اور حملوں کے نتیجے میں پوری امتِ مسلمہ بالعموم اور اسلامیانِ پاکستان بالخصوص دہشت کا شکار ہیں۔ ہر کوئی اسی پریشانی کے عالم میں ہے کہ نا جانے کب کوئی خودکش بمبار کسی جگہ سے برآمد ہو اور انسانی جسموں کے چیتھڑے بکھر جائیں۔ خوف و ہراس کی اس فضا نے کاروبارِ زندگی کو معطل کر دیا ہے، بے روزگاری بڑھ گئی ہے۔ سرکاری و نیم سرکاری اداروں کے ملازمین موت کے بادلوں کو سر پہ منڈلاتا دیکھ کر فرائضِ منصبی کو صحیح طور پر ادا کرنے سے قاصر ہیں اور غیر سرکاری ادارے اپنے بجٹ کا ایک بڑا حصہ سیکورٹی پہ صرف کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔

ان شر انگیزوں کی شرارتوں سے کوئی پاکستانی محفوظ نہیں ہے، حتی کہ یہ خود بھی ایک دوسرے سے محفوظ نہیں! کتنے ہی ایسے واقعات سامنے آتے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کو شک کی بنا پر یہ لوگ قتل کرتے چلے جاتے ہیں، کیونکہ تحقیق و تفتیش اور حوصلہ و حکمت سے یہ لوگ عاری ہیں، یعنی محض انسانی خون کے

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (5004)

پیاسے اور قتل و غارت کے خوگر یہ درندے بنی آدم کے لاشوں کے انبار لگا کر دل کی بھڑاس نکالتے ہیں اور ان میں موجود ازبکی ٹولے سے تو یہ خود بھی خائف رہتے ہیں کہ انھیں تو صرف گردنیں کاٹنے کا بہانا چاہیے۔ اپنے پرائے کی تفریق کیے بغیر ایک دوسرے پر جاسوسی کا الزام دھرتے کاٹتے چلے جاتے ہیں۔ان کی اس خونخواری پر وحشی درندے بھی حیرت زدہ ہیں۔

تکفیری دلائل کا علمی محاکمہ

ان سب نقصانات اور شرعی و اخلاقی قباحتوں کے باوجود عصرِ حاضر میں ایسے طاغوت نواز، خارجی فکر کے حامل مفتیوں نے جنم لیا، جنھوں نے اس خانہ جنگی کو سندِ جواز فراہم کی۔ کفر کا شروع سے یہی وتیرہ رہا ہے کہ ٹکے دو ٹکے کے ملاؤں کو خرید کر ان سے من پسند فتوے حاصل کیے جاتے ہیں اور پھر مسلمانوں میں سے کمزور عقیدہ و ایمان کے لوگوں سے ان فتووں پر عمل درآمد کرایا جاتا ہے اور یہی کہانی ارضِ پاک میں دہرائی گئی کہ حکمرانوں اور افواجِ پاکستان کو طاغوت قرار دیا گیا۔ پھر پاکستانی عوام کے ایمان و اسلام کو بھی مشکوک بنا دیا گیا اور ان سب کو مرتد حکمران، مرتد افواج اور مرتد عوام کہہ کر ان کے قتل کا بے دلیل جواز پیش کیا گیا۔ ذیل میں ہم ان کے فرسودہ دلائل کی قلعی کھولیں گے۔

پہلی دلیل: عوام مرتد ہو چکے ہیں!

ان دھماکوں میں جو بے گناہ لوگ جان کی بازی ہار جاتے ہیں، ان کے خون کی کوئی قیمت نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ طاغوتی حکمرانوں کی اطاعت اور ان کے نظاموں کو تسلیم کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکے ہیں، لہٰذا اگر ان دھماکوں میں

عوام الناس کو ہدف بنا لیا جائے یا ہدف کے حصول کی خاطر ان کی جانیں ضائع ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

پاکستانی حکمرانوں کے ماتحت چلنے کی وجہ سے عوام الناس کے ایمان کی نفی اسامہ بن لادن نے اپنے ایک بیان میں بھی کی ہے جسے تکفیری ابوعلی المہاجر نے اپنی کتاب: ''جہادِ پاکستان پر اٹھائے جانے والے شبہات کا مدلل رد'' کے صفحہ: 20 اور 21 پر نقل کیا ہے۔

اسی قسم کا تاثر اسد اللہ قاسمی نے اپنی کتاب: ''کیا ہمارے حکمران کافر ہیں؟'' کے صفحہ: 28 تا 30 پر دیا ہے کہ کفار کی کسی بھی طرح مدد کرنے والا شخص کافر ہو جاتا ہے اور عوام الناس بھی پاکستانی نظام کو تسلیم کر کے طاغوتی عدالتوں سے فیصلے کروا کر امریکی جنگ میں مدد کے لیے ٹیکس ادا کر کے اس کفر کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ پاکستانی افواج، عدالتیں، پولیس وغیرہ کے کفر میں شک کی تو کوئی گنجایش باقی نہیں بچی اور اس پر اس نے مفتی نظام الدین شامزئی جیسے لوگوں کے فتاویٰ بھی نقل کیے ہیں۔ پھر صفحہ 59 تا 61 پر وکلا اور ججوں کو سب سے بڑا کافر، یعنی طاغوت قرار دیا اور اس کے لیے مالاکنڈ ڈویژن کے دیوبندی مفتی ولی اللہ اور دیگر کے فتاویٰ کا سہارا لیا۔

تجزیہ:

اس دلیل میں جو بات مفتیانِ کج فہم کہنا چاہتے ہیں، سادہ لفظوں میں وہ یہ ہے کہ تمام تر اہلِ پاکستان کافر ہو چکے ہیں اور اب ان کی جان و مال کی کوئی

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ''انصارانِ طاغوت'' صفحہ: 16 تا 18 اور ''آسمانی قوانین سے اعراض'' از ابوجنید۔

قدر و قیمت باقی نہیں رہی۔

اس دلیل میں جو فکر پیش کی گئی ہے وہ عین تکفیری اور خارجی فکر ہے۔ خوارج کبیرہ گناہ کے ہر مرتکب کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے تھے اور ان کی جان و مال کو اپنے لیے مباح سمجھتے تھے۔ کائنات کے تمام تر تکفیریوں کی بنیاد خوارج ہی پر ہے۔ وہ عوام الناس کی تکفیر میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے اور تکفیر کے اصول وضوابط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے لوگوں کی بے جا تکفیر کرتے ہیں۔ پاکستانی عوام کا قصور ہی کیا ہے کہ یہاں کے ملاؤں نے انھیں عقیدہ و عمل سکھانے اور ان کی رہبری کرنے کے بجائے ان پر کفر کے فتووں کی توپ چلا رکھی ہے اور عوام بے چارے اپنی جہالت و لاعلمی کی بنا پر ایسے کاموں کے مرتکب ہو رہے ہیں، حالانکہ نبیِ مکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ اس بات کا سبق دیتی ہے کہ اگر کوئی شخص لاعلمی و نادانی کی بنا پر ایسا کام کر بھی لے تو اسے سمجھایا جائے نہ کہ اسے کافر کہہ کر تہ تیغ کر دیا جائے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب شام سے واپس آئے تو انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو سجدہ کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے بڑی محبت سے انھیں سمجھایا کہ یہ کام درست نہیں ہے۔[1] لیکن آج کے فتوے باز تکفیریوں کے پاس ایسے شخص کے لیے سوائے کافر اور مشرک کے اور کوئی الفاظ نہیں ہیں اور اگر بس چلے تو غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز شخص کا سر اٹھنے سے پہلے ہی تن سے جدا کر دیں۔

یہی ایک بنیادی فرق ہے ان تکفیریوں کے منہج اور رسول اللہ ﷺ کے منہج

[1] سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (1853)

کے مابین، یعنی شریعتِ اسلامیہ کا تقاضا ہے کہ اگر کوئی شخص کفریہ یا شرکیہ کام کرتا پایا جائے تو اسے فی الفور کافر و مرتد کہہ کر موت کے گھاٹ نہ اتار دیا جائے، بلکہ اس کی اصلاح کی جائے۔ اگر وہ لاعلمی میں ایسا کر رہا ہے تو اسے کتاب و سنت کے دلائل سے سمجھایا جائے کہ یہ کام انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اگر وہ قرآن یا حدیث ہی سے استدلال کر کے غلط نتیجہ نکالے ہوئے ہے تو اس کی اس تاویل کو ختم کیا جائے اور اگر وہ کسی بڑی طاقت کے ڈر اور خوف کی وجہ سے مجبور ہو کر کفریہ کلمہ کہتا ہے یا کفریہ کام کرتا ہے تو اسے اس وقت تک ایسا کرنے کی اجازت دی جائے، جب تک اس طاقت کا خوف ختم نہیں ہو جاتا۔

نبی کریم ﷺ نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کفریہ کلمات کہنے کی اجازت دی تھی، کیونکہ ان کا دل اسلام پر مطمئن تھا اور وہ صرف کفار کے ظلم سے بچنے کے لیے ایسا کرتے تھے۔[1]

الغرض اسلام کسی بھی کلمہ گو شخص کو کافر یا مشرک قرار دینے سے پہلے بہت ہی زیادہ تحقیق و تفتیش کا حکم دیتا ہے اور جب تک مرتد پر حجت قائم نہ کر لی جائے، اسے قتل کرنے سے منع کرتا ہے، حتی کہ اگر کوئی شخص کفار کی صف میں کھڑا ہو اور واضح طور پر کافر و مشرک ہو، اس نے کبھی اسلام کا کلمہ نہ پڑھا ہو اور مسلمانوں کو تہ تیغ کرتا چلا جا رہا ہو، لیکن میدانِ جنگ ہی میں وہ کسی مسلمان کی زد میں آ جائے اور اپنے آپ کو قتل ہوتا دیکھ کر فوراً کلمہ پڑھ لے تو بھی اسلام اسے قتل کرنے سے روکتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اسے ایسی صورتِ حال میں قتل کر

---

[1] المستدرك للحاكم (3362)

دیتا ہے تو اسلام اس قاتل کے عمل سے اظہارِ براءت کرتا ہے اور اسے سخت سرزنش کرتا ہے۔[1]

لیکن دوسری طرف یہ تکفیری اور خارجی ٹولہ ہے جو محض اہلِ اسلام کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے۔ یہ مسلمانوں میں خون کی ہولی کھیلنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا اور بہانے بہانے سے اسلامیانِ پاکستان کے خون سے ہاتھ رنگتا ہے، جس میں سب سے بڑا بہانہ یہ ہے کہ اسلامیانِ پاکستان مرتد ہو چکے ہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون!

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر دے کر بنی جذیمہ کی طرف بھیجا، انھوں نے وہاں جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن وہاں کے رہنے والے چونکہ یہ سنتے تھے کہ جو بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اپناتا ہے اسے صابی، یعنی بے دین کہا جاتا ہے تو انھوں نے بھی بجائے اس کے کہ وہ کہیں ہم مسلمان ہو گئے، یہ کہنا شروع کر دیا کہ ''ہم بے دین ہو گئے'' حالانکہ ان کا مقصود اسلام کا اظہار کرنا ہی تھا، لیکن انھیں اظہارِ اسلام کا صحیح طریقہ نہیں آیا تو خالد رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر کچھ کو انھوں نے قیدی بنا لیا اور پھر ایک دن قیدیوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دے دیا، لیکن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ نہ میں اپنے قیدی کو قتل کروں گا اور نہ میرا کوئی ساتھی ایسا کرے گا۔ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ سنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور دو مرتبہ فرمایا: ''اے اللہ! خالد

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (97)

نے جو کچھ کیا ہے، میں اس سے بری ہوں۔''[1]

آج اسلامیانِ پاکستان کا بھی یہی حال ہے کہ وہ بے چارے اسلام سے سچی محبت رکھتے ہیں، محبتِ نبوی کا سچا جذبہ ان کے دلوں میں موجزن ہے۔ دین سے محبت ان کے رگ وپے میں گردش کرتی ہے، وہ اسلام اور ناموسِ رسالت کی خاطر اپنا تن من دھن سب کچھ لٹانے کے لیے بے تاب نظر آتے ہیں، مگر افسوس کہ پاکستان کے ''کچی روٹی، پکی روٹی'' پڑھنے والے ملاؤں نے انھیں اسلام پر عمل پیرا ہونا سکھایا ہی نہیں کہ وہ صحیح مسلمان بن سکیں۔ جس قدر ٹوٹے پھوٹے عقائد و اعمال انھیں معلوم ہیں وہ انھیں ہی اسلام سمجھتے ہیں اور ان پر مضبوطی سے عمل پیرا ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کفر کی طرف لوٹ کر نہیں جانا چاہتا، وہ کفر و اہلِ کفر سے شدید نفرت رکھتے ہیں، بلکہ غیظ و غضب کا اظہار بھی کرتے ہیں، مگر وائے ناکامی کہ ایسے محبانِ اسلام، محبانِ رسولِ مقبول ﷺ جانثارانِ صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم، فدائیانِ ملتِ اسلامیہ کو صرف نادانی اور جہالت کی بنا پر کافر قرار دے کر ہمیشہ کی نیند سلایا جا رہا ہے۔

حالانکہ قاتل بھی جانتے ہیں کہ جب بھی کفر و اسلام کا معرکہ بپا ہو گا، یہ سب اسلام کی صفوں میں کھڑے ہوں گے، مسلمانوں کے ہی دست و بازو بنیں گے، ان کا وزن اہلِ ایمان کے پلڑے ہی میں گرے گا، یہ دین کے مجاہد ثابت ہوں گے، لیکن اس سب کچھ کے باوجود، امریکہ اور انڈیا نواز مفتیوں کے فتوے ڈالروں کے حساب سے بکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسلامیانِ پاکستان کو موت کی

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (4339)

وادیوں میں دھکیلنے کے لیے اسرائیلی و امریکی اسلحہ بھی ان کے پاس پہنچ جاتا ہے اور اہلِ ایمان کو خون میں نہلا کر اپنے آقاؤں کو خوش کیا جاتا ہے اور اپنے سوا باقی سب کو کافر کہہ کر ان کے مال بھی لوٹے جاتے ہیں اور جانیں بھی ضائع کی جاتی ہیں۔

جب کہ سابقہ سطور میں ہم قرآن و سنت کے جو دلائل پیش کر آئے ہیں، ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہلِ پاکستان دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوئے، بلکہ وہ سچے مسلمان ہیں اور ان کا قتل کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔

اے اللہ! ہم بھی ان تکفیریوں اور خارجیوں کے کالے کرتوتوں سے تیرے سامنے اعلانِ براءت کرتے ہیں!!

دوسری دلیل، غیر ارادی طور پر مسلمان کا قتل!

کہا جاتا ہے کہ رات کے وقت مشرکین پر حملے کے دوران میں مشرکوں کے بچوں اور عورتوں کا بھی غیر ارادی طور پر قتل ہو جاتا تھا، اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ بھی انہی میں سے ہیں۔'' لہٰذا جب دھماکا کیا جاتا ہے تو اصل ہدف کو نیست و نابود کرنے کے لیے کچھ بے گناہ لوگ بھی اگر قتل ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی بات ناصر بن احمد نے اپنی کتاب میں کہی ہے، جس کا اردو ترجمہ عمار صدیقی نے ''کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کا حکم'' کے نام سے کیا ہے اور یہ بات مترجم کتاب کے صفحہ (69) پر موجود ہے۔

تجزیہ:

اسے کہتے ہیں: ''اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی'' قتل کرنا

ہے بے گناہ مسلمانوں کو اور اس کے جواز میں دلیل پیش کی گئی ہے بے گناہ مشرکوں کو قتل کرنے کی! یا للعجب! ع

اس ''علمیت'' پہ کون مر نہ جائے اے خدا!

ایک تو ان کا ہدف بھی مسلمان ہی ہے نہ کہ کافر یا مشرک، جیسا کہ ہم پہلی دلیل کے تجزیے کے دوران میں ثابت کر چکے ہیں، کیونکہ یہ اس ہدف پر حجت قائم کیے بغیر اس فردِ معین کو کافر و مرتد قرار دے بیٹھتے ہیں جو شرعی تقاضوں اور دینی اصولوں کے خلاف ہے اور دوسرے وہ مسلمان جنھیں کبھی تو یہ کافر کہتے ہیں اور کبھی احساس ہونے کے بعد مسلمان تسلیم کر لیتے ہیں اور اپنے ٹارگٹ کو نشانہ بناتے بناتے بیسیوں ایسے افراد کو مشقِ ستم بنا ڈالتے ہیں، جب کہ دینِ اسلام نے ایسی جگہ پر ہلہ بولنے یا غارت گری کرنے سے منع کیا ہے، جہاں مسلمان بھی موجود ہوں، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝25 ﴾

[الفتح: ٢٥]

''اور اگر کچھ مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتیں جنھیں تم نہیں جانتے تھے (اگر یہ نہ ہوتا) کہ تم انھیں روند ڈالو گے تو تم پر لاعلمی میں ان کی وجہ سے عیب لگ جائے گا (تو ان پر حملہ کر دیا جاتا) تا کہ اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کر لے، اگر وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہو گئے ہوتے تو ہم ضرور ان لوگوں کو جنھوں نے ان میں سے

کفر کیا تھا، سزا دیتے، دردناک سزا۔‘‘

یعنی جب کافروں کے ساتھ مومن بھی موجود ہوں تو اللہ تعالیٰ اس علاقے پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دے رہا کہ کہیں لاعلمی میں کوئی مسلمان ہی قتل نہ ہو جائے اور اہلِ اسلام پر یہ تہمت نہ لگ جائے کہ یہ لوگ اپنے ہی ہم مذہب لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ ہاں جب مسلمان اور کافر الگ الگ ہو جائیں تو پھر کافر کو سزا دینا ان کے خلاف لڑنا درست ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ کافر و مسلم الگ الگ ہوتے تو ہم انھیں دردناک عذاب دیتے، یعنی مسلمانوں کی کافروں کے درمیان موجودگی کافروں کے لیے بھی جان بخشی کا باعث بن جاتی ہے نہ کہ مسلمانوں کے لیے وبالِ جاں۔

مگر طاغوتی مفتیوں نے معاملہ الٹ کر رکھا ہے کہ کافر کو قتل کرنے کے لیے مسلمان کا خون بہانا بھی ان کے لیے کوئی گناہ نہیں ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ ایسی بستی پر حملہ نہیں کرتے تھے، جہاں اذان کی آواز سن لیتے کہ یہاں کافروں کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی بستے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ لشکرِ اسلام کی تلواروں کی زد میں کوئی مسلمان بھی آ جائے۔

الغرض مفتیانِ خوارج کا استدلال بھی نہایت ہی کمزور ہے، بلکہ ان کی علمیت کا منہ چڑاتا ہے اور کتاب وسنت کے واضح دلائل بھی ایسی کارروائیوں کی حرمت پر صریح دلالت کرتے ہیں۔

تیسری دلیل: منجنیق سے حملہ کرنے کی رخصت:

نبی کریم ﷺ نے اہلِ طائف پر منجنیق سے حملہ کیا، حالانکہ منجنیق سے حملہ

ایسے ہی ہے جیسے بمباری ہوتی ہے، کیونکہ اس میں بھی بے دریغ ہلاکتیں ہوتی ہیں۔عورتیں اور بچے بھی مارے جاتے ہیں، جن کا قتل بنیادی طور پر اسلام میں منع ہے۔ یہی بات ناصر بن احمد نے اپنی کتاب میں کہی ہے جس کا اردو ترجمہ عمار صدیقی نے ''کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کا حکم'' کے نام سے کیا ہے اور یہ بات مترجم کتاب کے صفحہ (67) پر موجود ہے۔

تجزیہ:

اس دلیل کی حالت بھی سابقہ دلیل ہی کی طرح ہے، کیونکہ جہاں مسلمان موجود ہوں، نبی کریم ﷺ وہاں تو حملہ ہی نہیں کرتے اور اس منجنیق کے نتیجے میں جو بچے یا عورتیں ہلاک ہوئے، وہ سب مشرکین کے بچے اور عورتیں تھیں، نہ کہ مسلمانوں کے۔ جبکہ یہاں مسلمانوں پر ظلم ڈھایا جاتا ہے اور وہ بھی بچوں اور عورتوں پر نہیں، بلکہ مسلمانوں کے نوجوانوں پر! اور ایسے مسلمانوں پر جن میں کوئی بھی کافر موجود نہیں ہے اور اگر کوئی کافر ہوتا بھی ہے تو وہ یا تو ذمی ہوتا ہے یا مستامن یا معاہد اور یا پھر سفیر کہ جن کا قتل اسلام نے سختی سے منع کر رکھا ہے، جیسا کہ ہم پہلے واضح کر آئے ہیں۔

چوتھی دلیل: ڈھال بنائے جانے والے مسلمانوں کا قتل:

اس بارے میں کتاب و سنت سے کوئی دلیل ان جہلا کو نہیں مل سکی، ہاں کچھ ائمۂ دین کے فتوے انھیں میسر آئے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کو کافر بطور ڈھال استعمال کر رہے ہوں تو ایسے مسلمان کو قتل کر کے کافروں تک پہنچنے کا راستہ کھولا جا سکتا ہے۔ یہی بات ناصر بن احمد نے اپنی کتاب میں کہی ہے جس کا اردو

ترجمہ عمار صدیقی نے ''کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کا حکم'' کے نام سے کیا ہے اور یہ بات مترجم کتاب کے صفحہ (69) پر موجود ہے۔

تجزیہ:

لیکن یہ بات بھی محلِ نظر ہے، کیونکہ ائمہ دین گو کہ ہمیں ان کی شان وعظمت کا اعتراف ہے، لیکن بہر حال وہ انسان ہی ہیں اور ان سے غلطی ہونا ممکن ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ڈھال کے طور پر استعمال ہونے والے ہر مسلمان کو قتل کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ اگر اسے درست قرار دے دیا جائے تو مسلمانوں کے قتلِ عام کا دروزاہ کھل جاتا ہے۔

پھر دوسری دلیل کے تجزیے کے دوران میں ہم جو دلائل بیان کر چکے ہیں ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اگر کافروں کے ہاں اسیر ہوں یا کافروں کے درمیان رہایش پذیر ہوں یا کافروں نے انھیں ڈھال بنا رکھا ہو تو ایسی صورت میں اگر مسلمانوں کے قتل ہونے کا اندیشہ ہو تو وہاں حملہ نہ کیا جائے اور اگر یہ خدشہ نہ ہو کہ مسلمان بھی قتل ہو جائیں گے تو پھر وہاں حملہ کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ سورت فتح (آیت: 25) کے حوالے سے فرمانِ باری تعالیٰ ہم نقل کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی خدشے کی بنا پر کہ مسلمان قتل ہو جائیں گے، لشکرِ اسلام کو فوج کشی سے منع کر دیا۔

لہٰذا جب کسی مسلمان کو کافروں نے اپنے لیے ڈھال بنایا ہو تو ایسے طریقے سے کارروائی کی جائے کہ وہ مسلمان بچ جائے، اسے کافروں کی قید سے رہائی مل جائے اور کفر بھی نیست و نابود ہو جائے۔ ہاں اگر اس دوران میں کافر

ہی اس مسلمان کو قتل کر دیں تو وہ درجۂ شہادت پر فائز ہو جائے گا اور مسلمان کسی مومن کو قتل کرنے کے گناہ سے بھی بچے رہیں گے۔

دھماکوں کے طریقہ کار کا شرعی جائزہ:

ان دھماکوں اور حملوں کی حرمت تو قرآن مجید اور سنتِ رسول ﷺ کے دلائل سے ہم ثابت کر چکے ہیں، لیکن یہاں ایک اور بات بھی بہت اہم اور قابلِ توجہ ہے اور وہ ہے ان حملوں اور دھماکوں کے طریقۂ کار کی شرعی حیثیت!

جی ہاں! ایک تو یہ دھماکے خلافِ شرع ہیں اور دوسرا ان دھماکوں کا طریقہ کار بھی خلافِ شرع ہی ہے کہ اس میں انسان جان بوجھ کر اپنے آپ کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے، جب کہ خودکشی دینِ اسلام میں ایک بڑا جرم ہے، حتی کہ میدانِ قتال میں زخمی ہو جانے والا بھی اگر اپنے زخموں کی تکلیف برداشت نہ کرتے ہوئے خودسوزی کر لیتا ہے تو بھی اس کا اجر ضائع ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص اپنے آپ کو جس چیز سے قتل کرے گا، اسے جہنم میں بھی اسی چیز کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔''[1]

میدانِ جنگ میں ایک کلمہ گو شخص کی زخموں سے چور ہونے کے بعد جب تکلیف بڑھنے لگی تو اس نے اپنی ہی تلوار کو زمین پر رکھ کر اس پر اپنا سینہ رکھا اور پھر اپنا سارا وزن اس تلوار پر ڈال دیا اور خودکشی کر لی تو نبی کریم ﷺ نے اس کے بارے میں فرما دیا کہ یہ جہنمی ہے۔[2]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (1364)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (2898)

جب کہ یہ خودکش بمبار دشمن کا نقصان کریں یا نہ کریں، البتہ اپنے آپ کو ضرور موت کے گھاٹ اتار کر جہنمی ہونے کی وعیدِ نبوی کے مستحق بن جاتے ہیں، کیونکہ ان کا یہ خودکش حملہ صرف اپنے آپ کو قید اور اس کے بعد والی اذیتوں سے بچانے کے لیے ہوتا ہے۔

مگر صد افسوس کہ ایسے قبیح عمل کو بھی جواز بخشنے کے لیے خوارجِ عصر کے مفتیانِ بے لگام کے قلم حرکت میں آئے اور انھوں نے اصحابِ اُخدود والے واقعے سے باطل استدلال کرتے ہوئے اس طریقۂ کار کو سندِ جواز فراہم کی کہ اصحابِ اخدود والے اس بچے نے خود بادشاہ کو کہا تھا کہ اگر تم ''بسم اللّٰہ'' پڑھ کر تیر چلاؤ گے تو تب تم مجھے قتل کرنے میں کامیاب رہو گے۔

مجھے تو ان فقیہانِ کج فہم کے استدلالات پر تعجب ہوتا ہے کہ اس بچے کی اس حکمتِ عملی کے نتیجے میں لوگ جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہوئے، رب کی توحید کے علمبردار بنے اور اپنی جان کی بازی ہار گئے،مگر توحیدِ الٰہی سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے، جب کہ ان ظالمان کی سفاکانہ کارروائیوں کے بعد تو لوگ اسلام اور اسلام کے میناروں، یعنی جہاد و توحید سے بیزار ہوتے ہیں اور کہتے ہیں ''ایسی توحید سے ہم یوں ہی بھلے'' اور جہاد کو دہشت گردی سمجھ کر اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں، بلکہ اس کے نام سے بھی خائف ہو جاتے ہیں۔

دوسری طرف قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ اس بچے نے اپنے آپ کو خود قتل نہیں کیا تھا، بلکہ بادشاہ کے ہاتھوں شہید ہوا تھا، یعنی کہاں خودسوزی اور کہاں سزائے موت کو بخوشی قبول کرنے کی مجاہدینِ اسلام کی ادائے دلنواز! ع

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک ...!

الغرض ان دھماکوں کا طریقہ کار بھی ایسا گھناؤنا ہے کہ اس کا جواز بھی اسلام میں کہیں موجود نہیں۔

پاکستان میں ہونے والے دھماکوں کے نتائج:

ان خونخوار درندوں کی وحشت تو چنگیز سے بھی بڑھ گئی ہے کہ اس نے تو قتلِ انسانی کا پھر بھی کوئی نہ کوئی معیار مقرر کیا تھا، لیکن ان کے ہاں انسانیت کو نابود کرنے کے لیے کوئی بھی معیار مقرر نہیں ہے، ان کی اس بربریت کا فائدہ کسے ہو رہا ہے اور یہ جانے یا انجانے میں کن کے لیے استعمال ہو رہے ہیں؟ حالات حاضرہ سے واقف ہر شخص اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ ان فسادات کے نتیجے میں:

1. مسلمانوں کا امن تباہ ہوا۔
2. مسلمانوں کی املاک اور جانوں کا نقصان ہوا۔
3. اسلام اور بالخصوص اسلام کا اہم ترین فریضہ جہاد فی سبیل اللہ بدنام ہوا۔
4. اسلام اور اسلامی شعائر سے نفرت نے جنم لیا۔
5. کفار کے خلاف جاری جہاد میں کمزوری اور کمی واقع ہوئی۔
6. پاکستان کی معاشی حالت ابتر ہوئی۔
7. ان دھماکوں اور عسکری کارروائیوں کی روک تھام کے لیے ملک کے بجٹ کا بیشتر حصہ استعمال ہوا۔
8. غیر ملکی تخریب کار ایجنسیوں کو پنپنے کا نادر موقع میسر آیا۔

9. افواجِ پاکستان اور انٹیلی جنس ادارے دشمن سے ٹکرانے اور ان پر نظر رکھنے کے بجائے اپنے ہی گھر میں الجھاؤ کا شکار ہوئے۔

10. پاکستان کی سرحدیں قدرے غیر محفوظ ہوئیں اور غیر ملکی گوریلوں کو ارضِ پاک میں کارروائیوں کا موقع ملا۔

11. دشمن ممالک کو اس مذہبی دہشت گردی کی آڑ میں اپنے مذموم مقاصد تک پہنچے میں آسانی ہوئی۔

12. بلکہ دشمنوں کے بہت سے اہداف جن تک وہ نہ پہنچ سکتے تھے، ان فسادیوں کے ہاتھوں انھیں بھی نشانہ بنایا گیا۔

جی ہاں یہ سب ایسے فوائد ہیں جو کفار نے حاصل کیے ہیں اور دنیا کی نظروں سے اوجھل نہیں ہیں، بلکہ اخبارات کی زینت بنے ہیں اور اسلامیانِ پاکستان کا اتنا خون اس ملک کے معرضِ وجود میں آنے سے لے کر 2007ء کے اوائل تک نہیں بہا تھا، جتنا اس فتنے کے بعد سے لے کر اب تک بہہ چکا ہے۔ نہ ہی اتنی ہلاکتیں پاک و ہند کے مابین ہونے والی جنگوں میں ہوئیں اور نہ اس کے علاوہ کسی اور موڑ پر۔

2007ء سے اب تک تقریباً ایک ہزار سے زائد خودکش دھماکے ہو چکے ہیں، اس کے علاوہ مذموم عسکری کارروائیاں ایسی ہیں، جن کی کوئی حتمی تعداد نہیں ہے اور ان میں 45289 افراد لقمۂ اجل بن چکے ہیں اور زخمیوں کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہے۔ جس کے نتیجے میں ہزاروں بیوائیں بے آسرا اور بچے یتیم ہو چکے ہیں اور والدین اپنے بڑھاپے کا اکلوتا سہارا کھو بیٹھے ہیں۔ بازاروں اور

مارکیٹوں میں ہونے والے دھماکوں کے نتیجے میں کئی خاندانوں کی عمر بھر کی کمائی ان کی دکانوں سمیت جل کر راکھ ہوئی اور وہ کشکولِ گدائی اٹھانے پر مجبور ہوئے۔

ان لوگوں کی معاشی حالت ایسی ابتر ہوئی کہ سرمایہ دار اپنی رقم منڈیوں میں لانے سے ڈرنے لگے کہ کہیں زندگی بھر کی محنت نذرِ آتش نہ ہو جائے۔ صرف کوچہ و بازار ہی نہیں، بلکہ مسجد و مدرسہ اور منبر و محراب بھی اس فساد کی لپیٹ میں آئے۔ نمازیوں کے مقدس خون سے مساجد رنگین ہوئیں، ننھے معصوم بچوں کے چیتھڑے مدارس کی چٹائیوں پر بکھرے، قرآن کے پاکیزہ اوراق دہشت گردی کا نشانہ بنے، ان سفاک درندوں کی خونخواری سے نہ اللہ کے گھر بچ سکے نہ اللہ کے بندوں کی رہایش گاہیں محفوظ رہ سکیں اور نہ گلی محلے کا امن ہی قائم رہ سکا۔

بد امنی کا ایسا سیاہ دور شروع ہوا کہ قاتل کو بھی معلوم نہیں کہ میں انھیں کیوں قتل کر رہا ہوں اور مقتول بھی یہ نہیں جانتا کہ مجھے کس جرم کی سزا مل رہی ہے۔ یہ سارا خون خرابہ صرف نفاذِ اسلام کے نام پر کیا جا رہا ہے!

لیکن درحقیت نفاذِ اسلام کے نام پر کیے جانے والے ان فسادات کے نتیجے میں غلبۂ اسلام کی حقیقی تحریکیں کمزور پڑیں، لوگ اسلام اور جہاد سے متنفر ہوئے، اصل مجاہدین کو بھی فسادی سمجھا جانے لگا۔ اسلام کی طرف مائل ہوتے لوگ نام نہاد مسلمانوں کی خونخواری دیکھ کر مسلمان کا لفظ سنتے ہی اپنے ذہنوں میں وحشی درندے کا تصور کرنے لگے۔ لوگوں کو اسلام اور اسلامی نظام سے نفرت پیدا ہوئی، حتی کہ اسلامی سزاؤں اور شرعی حدود کو بھی وحشیانہ سزائیں سمجھا جانے لگا اور اسلام کے چہرے پہ سیاہی ملنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی، جس کے نتیجے میں

مجاہدینِ اسلام کی کمک میں کمی واقع ہوئی، لوگوں نے تعاون سے ہاتھ کھینچا، میڈیا والوں نے جہادی کارروائیوں کو کوریج دینا اپنے لیے باعثِ عذاب سمجھنا شروع کر دیا، کفار کے حوصلے بلند ہوئے، مسلمانوں پر افسردگی چھانے لگی اور یہ سمجھ لیا گیا کہ امریکہ کے افغانستان آنے کے بعد اصل جہاد ختم ہو گیا ہے اور اب صرف ان بم دھماکوں اور قتل و غارت گری پر ہی زور ہے اور طاغوتی طاقتیں یہی چاہتی تھیں کہ اسلام، اسلامیان، جہاد اور مجاہدین کو بدنام کر کے مسلمانوں کے دلوں میں ان کی محبت کی جگہ نفرت بھر دی جائے، لیکن یہ کام وہ خود نہ کر سکتے تھے، اس کا بہترین موقع ان تکفیری فسادیوں نے فراہم کیا۔

ایک طرف پاکستان، اس کے حکومتی ادارے اور بے کس و لاچار عوام ہیں تو دوسری طرف ان سے برسرِ پیکار امریکہ، انڈیا، اسرائیل اور تحریکِ طالبان پاکستان ہے جس کا واضح ثبوت گزشتہ سال سے افغان سرزمین پر بیٹھ کر امریکی اور اتحادی فورسز پر حملے کرنے کے بجائے پاکستانی سرحدی علاقوں پر گوریلا کارروائیاں کرنا ہے اور ان میں جو اسلحہ استعمال کیا جاتا ہے وہ بھی سارا امریکی اور نیٹو ساختہ ہے۔ چترال، دیر اور سوات کے علاقے اکثر ان فسادیوں کے حملوں کا نشانہ بنتے رہتے ہیں۔

یہ ظالمان بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ روس کے خلاف جنگ میں تم نے امریکہ سے اسلحہ لیا تھا تو کیا ''شریعت یا شہادت'' کے لیے ہم نہیں لے سکتے؟ حالانکہ روس کے خلاف جنگ صریح کفر کے خلاف جنگ تھی، جب کہ ان فسادیوں کی توپوں کا رخ صرف مسلمانوں کی طرف ہے۔

الغرض فائدہ اگر ہوا ہے تو صرف کفار کو امریکہ و انڈیا کو اور پاکستان دشمن قوتوں کو ان دھماکوں سے فائدہ ہوا ہے اور نقصان اگر ہوا ہے تو صرف اسلام کا اہلِ اسلام کا، اہلِ پاکستان کا اور ارضِ پاکستان کا۔ حکومت کو یہ دھماکے روکنے کے لیے بڑی تعداد میں فنڈز صرف کرنے پڑے، جس کے نتیجے میں ترقیاتی کام رکے، مہنگائی بڑھی، بے روزگاری عام ہوئی، صنعت اجڑی، بے یقینی پھیلی، منڈیاں سرد پڑ گئیں، کاروبار معطل ہوئے اور نتیجتاً گھروں کے گھر اجڑ گئے۔

ایسے افراتفری کے ماحول میں دشمن کی خفیہ ایجنسیاں ارضِ پاک میں اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھیں، انھیں ایجنٹ پاکستان کے اندر سے ہی میسر آ گئے۔ بلیک واٹر، سی آئی اے، را اور جے ساک جیسی خطرناک دہشت گرد تنظیموں نے وطنِ عزیز میں اپنے پنجے گاڑھنے شروع کیے اور یہ سب اسی تحریک ظالمان پاکستان کی شہ پر ہوا۔ جس کا واضح ترین ثبوت یہ ہے کہ ریمنڈ ڈیوس کے موبائل فون سے برآمد 80 فیصد رابطہ نمبرز جنوبی وزیرستان کے فسادی ظالمان ہی کے تھے۔

پاکستان کی اس اندرونی مخدوش صورتِ حال نے بیرونی جارح، یعنی امریکہ کے حوصلے بلند کر دیے اور وہ پاکستان میں خفیہ عسکری کارروائیوں کے بعد کھلے عام درجنوں حملے کر چکا ہے، جن میں انگور اڈے پر سحری کے وقت روزہ داروں کا قتل اور سلالہ حملہ بطور مثال موجود ہیں۔ اسی طرح آئے روز ہونے والے ڈرون حملے بھی کسی سے مخفی نہیں ہیں اور اس کا حواری انڈیا بھی کئی دفعہ سرجیکل سٹرائیک کی دھمکیاں دے چکا ہے اور اس کے طیارے کئی بار پاکستان کی

فضاؤں میں دراندازی کر چکے ہیں۔

اسی طرح انڈیا و امریکہ کی شہ پر تحریکِ طالبان کے دہشت گردوں نے ایسے اہداف پر بھی حملہ کیا ہے جن تک غیر ملکیوں کا پہنچنا جوئے شیر لانا تھا جس کی مثالیں کراچی نیول بیس، جی ایچ کیو، پشاور ایئر پورٹ، سکول اور آئی ایس آئی کے دفاتر پر حملے کی صورت میں موجود ہیں۔

محترم قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ نہ تو اسلام میں ان دھماکوں کی اجازت ہے اور نہ ہی ان کا طریقہ کار شرعی طور پر درست ہے اور نہ ہی ان سے اسلام یا اہلِ اسلام کو کوئی فائدہ آج تک ہوا ہے اور نہ ہی مستقبل قریب یا بعید میں نظر آتا ہے، بلکہ اسلام ان حملوں کو حرام اور ان کے طریقہ کار کو خودکشی قرار دیتا ہے اور زمینی حقائق کے مطابق ملتِ کفر ہی ان کارروائیوں سے فائدہ اٹھاتی نظر آتی ہے۔ یہ بات کسی بھی ذی شعور مسلمان سے مخفی نہیں کہ جس کام کا فائدہ مسلمانوں کے بجائے کفار کو ہوتا نظر آئے اور اس کے جواز میں دیے جانے والے تمام تر دلائل تخمین وظن پر مبنی ہوں، کوئی ایک بھی مضبوط دلیل شریعتِ اسلامیہ میں موجود نہ ہو، بلکہ اس کی مخالفت میں بے شمار دلائل موجود ہوں تو ایسا کام کبھی شرعاً جائز یا درست نہیں ہوسکتا۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ امتِ مسلمہ کو دیدۂ بینا عطا فرمائے اور کفار کی سازشوں سے بچا کر رکھے۔ آمین

داعش کی حقیقت

اور ان کے افکار و نظریات

مؤلف

محمد رفیق طاہر

داعش کی حقیقت

دل کے شرارے:

حال ہی میں ایک متشدد جنگجو گروپ اچانک منظرِ عام پر آیا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ دنیا کی سب سے امیر ترین تنظیم بن کر ابھرا ہے۔ مال و دولت کی فراوانی، جدید ترین آلاتِ حرب وضرب سے مسلح اور نوعمر خونخواروں پر مشتمل یہ گروہ ''داعش'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انھوں نے خلافت کا نعرہ لگایا اور ایک گمنام اور نامعلوم شخص کو اپنا خلیفہ قرار دے لیا اور پھر جس مسلمان نے بھی اس کی بیعت سے انکار کیا، اس کا قتلِ عام شروع کر دیا۔

یعنی خلافتِ اسلامیہ کو کھڑا کرنے کے لیے کفار کے بجائے مسلمانوں کے خلاف ہی فساد کا آغاز کر دیا گیا اور یہود ونصاریٰ سے بڑا دشمن ان مسلمانوں کو قرار دیا گیا جو ان کی خلافت کو نہیں مانتے، حالانکہ نہ تو یہ اسلامی خلافت ہے اور نہ ہی خلیفہ کا انتخاب اس طرح سے کیا جاتا ہے۔ اسلامی خلیفہ تو وہ ہوتا ہے کہ جس پر ساری امتِ اسلامیہ متفق ہو جائے یا کم از کم امت کی اتنی بڑی تعداد اسے بے چوں چرا خلیفہ تسلیم کر لے کہ ان کے مقابلے میں اسے خلیفہ نہ ماننے والے نہ ہونے کے برابر ہوں۔

اب چونکہ ابوبکر بغدادی کو خلیفہ ماننے والے لوگ انگلیوں پر گنے جاسکتے

تھے تو انھوں نے اپنے مخالفین کو دائرۂ اسلام ہی سے خارج قرار دے دیا، تا کہ ان کے خلاف لڑنا آسان ہو اور اپنی خلافت کی دھاک جمانا ممکن ہو سکے۔

سو انھوں نے اپنے سوا باقی تمام تر اہلِ اسلام کو ''مرتد'' جیسے برے لقب سے نوازا اور پھر ان کے قتلِ عام کا اعلان کر دیا گیا کہ عام کافر کی نسبت مرتد کو قتل کرنا زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ اسی کلیے کو اپناتے ہوئے انھوں نے نہ صرف عامۃ الناس کو موت کے گھاٹ اتارا، بلکہ ان مجاہدین کو بھی تہ تیغ کیا جو کفار کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ شام میں أحرار الشام، لواء التوحيد، لواء الفاروق، جيش الحر اور اپنی ہی ہم نوا تنظیم ''جبهة النصرة'' کے خلاف بھی لڑائی شروع کر دی اور ان کے قائدین اور علما کو قتل کر دیا۔

عراق میں جيش المجاهدين اور الجيش الإسلامي في العراق جیسی بڑی بڑی مقامی تنظیموں کے خلاف لڑنا شروع کر دیا اور ان کے علما و قائدین سمیت سیکڑوں مجاہدین کو بھیانک انداز میں تہ تیغ کیا۔ یہ وہی جہادی تنظیمیں ہیں جنھوں نے عراق میں امریکہ کو تگنی کا ناچ نچایا تھا۔ فلسطین میں حماس کے کیمپ پر بڑا حملہ کر کے انھیں نقصان پہنچایا، جب کہ اسرائیل کے خلاف دو چار مارٹر کے ہوائی فائر کر کے اپنے چہرے کی سیاہی کو دھونے کی ناکام کوشش کی اور دوسری طرف فلسطینی مہاجرین کے کیمپ یرموک پر حملہ کر کے ظلم و ستم کے جو پہاڑ انھوں نے توڑے، اس کی داستانِ خون چکاں بھی بہت دل آزار ہے۔

مسلمانوں کے اس بے دریغ قتل کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم بغدادی خلافت کو نہیں مانتے، لہٰذا تمہارا خون حلال ہے اور پھر جو لوگ ان کے دجل سے

فریب خوردہ ہوکر ان کے ساتھ ملے، لیکن خدا داد بصیرت کی بنا پر جلد ہی ان کی حقیقت سے آشنا ہو گئے، جب وہ انھیں خیر باد کہہ کر جانے لگے تو مرتد کہہ کر ان کا بھی قتلِ عام شروع کر دیا گیا۔

ہماری نوجوان نسل حکمرانوں کی سیاسی چالبازیوں سے تنگ اور اسلامی نظامِ خلافت کی پیاسی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کہیں سے خلافت کی آواز بلند ہوتی ہے تو وہ اس جانب کھچے چلے جاتے ہیں کہ اسلامی نظام کے چشمۂ صافی سے سیراب ہوسکیں اور عزت وشوکت کی زندگی گزاریں، لیکن دشمنانِ دین وملت نے اسی لفظِ خلافت ہی کو استعمال کر کے بہت بڑے بڑے فتنے برپا کیے ہیں اور کبھی توحیدِ حاکمیت کا خوشنما نعرہ لگایا جاتا ہے تو کبھی ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ کی ملمع سازی کر کے باطل کو تقویت دی جاتی ہے۔ حدودِ اسلامیہ کے نفاذ کے مطالبے کی آڑ میں مسلمانوں کی قوت کو کمزور کیا جاتا ہے۔

یہ سب بہت بڑے بڑے فتنے ہیں۔ نبی مکرم ﷺ کی زندگی ہی میں اسلام کے ایسے نام لیوا پیدا ہو چکے تھے جنھیں امام الانبیاء جنابِ محمد مصطفی ﷺ کے فیصلے بھی مبنی برانصاف نظر نہیں آتے تھے، یہی فتنہ بعد میں خوارج کی شکل میں نمودار ہوا، جیسا کہ نبی مکرم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی اور آپ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق یہ قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔

ہمیشہ کی طرح خوش نما نعروں اور بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ آج بھی یہ لوگ اہلِ کفر کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں، لیکن حیرانی اس بات پہ ہے کہ نفاذِ شریعت کا نعرہ لگانے والے اور حدود

اللہ کے قیام کا مطالبہ کرنے والے یہ تمام تر گروہ خود اپنے آپ کو اللہ رب العالمین کے قوانین سے آزاد سمجھتے ہیں!

داعش ہی کو لے لیجیے، ان کے کتنے ہی فیصلے خلافِ شریعت ہیں۔ یہ لوگ القاعدہ کے ماتحت تھے، لیکن اچانک جب انھیں ڈالروں کی ریل پیل نظر آئی تو فوراً القاعدہ سے بغاوت کر کے انھیں مرجئہ قرار دیا اور نئی تنظیم بنا ڈالی۔ امیر کی بیعت سے ہاتھ کھینچنا شریعت ہے؟ جس طرز سے ایک شخص کو بطورِ خلیفہ مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، یہ طریقہ کس شریعت کا ہے؟ یورپ سے بھاگ کر آنے والی لڑکیوں سے بغیر ولی نکاح کرنے کا کیا جواز ہے؟

کفار و مشرکین کو تقریباً چھوڑ کر حماس اور اسی طرح دیگر جہادی تنظیموں پر حملے کرنا اور شام کی جہادی تنظیموں کے سربراہان کو چُن چُن کر قتل کرنا، جنھوں نے رافضیت کو ناکوں چنے چبانے پر مجبور کر دیا تھا، کون سا جہاد ہے؟ زندہ انسانوں کو آگ سے جلا کر سزا دینا کہاں کا اسلام ہے؟ بت پرست ہندو لڑکیوں کو گرفتاری کے بعد چھوڑ دینا اور مسلمان مجاہدین کو پکڑ پکڑ کر ذبح کرنا، کیا یہ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق ان کے واضح خارجی ہونے کی دلیل نہیں؟

صرف یہی نہیں، اسی قسم کے اور بھی بہت سے سوالات داعشیوں کا منہ چڑاتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ داعشی دولتِ اسلامیہ کا قیام نہیں، بلکہ دولت کا حصول چاہتے ہیں، جو انھیں مسلمانوں کو قتل کرنے پر کفار سے مل رہی ہے۔ یہ اللہ کی حاکمیت نہیں، بلکہ محض اپنی حکومت چاہتے ہیں، وگرنہ یہ اپنے لیے خلافِ شریعت فیصلے کبھی نہ کرتے!

ان کی نسبت اولین خوارج اس اعتبار سے بہتر تھے کہ وہ اپنے لیے بھی خلافِ شرع فیصلہ نہیں کیا کرتے تھے، گو وہ اس اعتبار سے نسبتاً برے تھے کہ وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے تھے۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جو ان میں اور داعش میں مشترک ہیں۔ دونوں ہی کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگین ہیں، دونوں ہی حاکمیتِ الٰہی کا نعرہ لگانے والے ہیں۔ دونوں ہی متشدد ہیں، دونوں ہی مسلمانوں کو کافر قرار دینے والے ہیں، دونوں ہی خوشنما نعرے لگانے والے، لیکن برے اعمال کرنے والے ہیں، دونوں ہی نوعمروں پر مشتمل گروہ ہیں اور دونوں ہی میں کوئی بھی راسخ فی العلم شخص موجود نہیں، بلکہ تمام تر اہلِ علم نے اولین خوارج کا بھی رد کیا تھا اور آج بھی اہلِ علم ان کے خلاف فتوے دے رہے ہیں، ان کی اسلام مخالف پالیسیوں اور مسلم کُش اقدامات کی مذمت پر دنیا بھر کے علما متفق نظر آتے ہیں۔

ہم آیندہ سطور میں داعشیوں کے قبیح چہرے سے پردہ اٹھائیں گے اور ان کی پیدایش سے اب تک کے حالات اجمالاً ذکر کریں گے، تاکہ قارئین کرام ان کی حقیقت کو جان لیں۔ جن حقائق سے ہم پردہ کشائی کرنے جارہے ہیں، یہی کل حقائق نہیں، بلکہ دیگ کے چند چاول ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ بغدادی خلافت کن حالات میں کیوں کھڑی کی گئی اور داعشیوں نے کیسے اصول وضع کر کے ملتِ اسلامیہ کے سینے میں خنجر گھونپ دیا ہے۔

اللہ امتِ اسلام کو ایسے خوارج کے فتنوں سے محفوظ فرمائے، آمین!

داعش کیسے معرض وجود میں آئی؟

عبداللہ بن سبا کی اولاد روافض اور یہودی ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں، جن کا بنیادی مقصد مکہ اور مدینہ پر قبضہ کرنا ہے، اسی مقصد کے لیے وہ اپنی ساری منصوبہ بندیاں اور کاوشیں کررہے ہیں اور یہ سازشیں 1400 سال ہی سے ہوتی چلی آرہی ہیں۔ 1992ء میں عازمینِ حج کی شکل میں سعودی عرب پر شیعہ زائرین کا حملہ اس کی ادنیٰ سی مثال ہے۔

عالمی صہیونیوں اور استعماری قوتوں نے اپنے ناپاک منصوبوں میں رنگ بھرنے کی خاطر خطے میں جغرافیائی طور پرسعودی عرب کو چہار اطراف سے گھیرنے کی سرتوڑ کوشش کی ہے۔

جنوبی طرف سے یمن سرحد پر محاذ کھولے گئے تو کہیں ایران کی طرف سے براہِ راست مداخلت کی گئی۔ حال ہی میں عراق کی طرف سے سعودی عرب کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ کھڑا کر دیا گیا ہے تو دوسری جانب یمن میں حوثی باغیوں کو مسلح کرکے سعودیہ کو حالتِ جنگ میں دھکیل دیا گیا ہے۔ ماضی قریب میں جب شام کی طرف سے بشار الاسد نے اسرائیل کی پشت پناہی پرسعودی عرب پر باقاعدہ چڑھائی کی منصوبہ بندی کی تو سعودی عرب نے اپنے دفاع میں شام کے سنی مجاہدین کو بشار الاسد کے خلاف امداد فراہم کی، جس سے شام میں

بشار الاسد اور سنی مجاہدین کے مابین جہادی میدان گرم ہو گئے۔

ایسے نازک مرحلے پر جب مٹھی بھر مجاہدین خطے میں روافض کی بالادستی کے خاتمے اور حرمین کی حفاظت کی خاطر بشار الاسد کے خلاف برسرِ پیکار تھے تو القاعدہ کے چند سر پھرے خونخواروں پر مشتمل "الدولة الإسلاميه في العراق" نامی تنظیم عراق میں نمودار ہوئی، جس نے پہلے عراق میں سنی جہادی تنظیموں کو کمزور کیا اور اس کے بعد شام میں ایک نیا فتنہ پیدا کر دیا اور اس کا نیا نام "الدولة الإسلاميه في العراق والشام" منتخب ہوا۔

ابو بکر بغدادی نامی شخص اس تنظیم کا سربراہ تھا۔ شام منتقل ہونے کے بعد اس نے اعلان کر دیا کہ وہ قبیلہ قریش سے ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی یہی ہے کہ خلیفہ قریش ہی سے ہوگا، لہٰذا وہ خلیفہ ہے اور شام میں بشار الاسد کے خلاف لڑنے والے باقی تمام مجاہدین پر لازم ہے کہ وہ ابو بکر بغدادی کو اپنا خلیفہ تسلیم کر کے اس کی اطاعت میں لڑیں، وگرنہ وہ سب کے سب مرتد ٹھہریں گے اور ہم اسرائیل یا بشار الاسد کے خلاف لڑنے سے پہلے ان کا خاتمہ کریں گے، تاکہ اپنی خلافت کو مستحکم کیا جا سکے۔ چونکہ باقی تمام مجاہدین اس فتنہ پرور گروہ کو اچھی طرح جانتے تھے، لہٰذا علمائے کرام اور مجاہدین فی سبیل اللہ نے اس تنظیم کو خارجی قرار دیا اور بشار الاسد کے خلاف اپنا جہاد جاری رکھا۔

داعشی خلافت اور مسلمانوں کا قتلِ عام:

داعش یعنی "الدولة الإسلاميه في العراق والشام" نے باقاعدہ شامی مجاہدین "أحرار الشام" اور "جبهة النصرة" کے خلاف اپنی کارروائیاں

شروع کردیں۔ سیکڑوں مجاہدین اور علمائے اہلِ سنت کو صرف اس وجہ سے ذبح کر دیا گیا کہ انھوں نے ابوبکر بغدادی کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور اس کی اطاعت میں رہ کر نہیں لڑ رہے۔

داعش کے پرچم تلے تکفیری خارجیوں کی یہ حرکت نہ صرف سنی مجاہدین کے ہاتھوں بشار حکومت کے خلاف کی جانے والی محنت کو ضائع کرنے لگی، بلکہ وہ جنگ جس کا رخ روافض اور بالآخر اسرائیل کی جانب تھا، سعودی سرحدوں کی جانب منتقل ہوگئی۔

اس سے قبل عراق میں وہ تمام علاقے جن میں اہلِ سنت کی اکثریت تھی، وہاں سنی مجاہدین پر حملے کیے اور جوابی حملے میں رافضیوں نے وہاں سے فرار اختیار کر لیا، حتیٰ کہ عراق کی ہائی ٹرینڈ آرمی نے بھی اہلِ سنت کے آگے ہتھیار پھینک دیے اور انھوں نے وہ علاقے یہ تاثر دیتے ہوئے خالی کرنا شروع کر دیے کہ یہاں مجاہدین کے اس قدر شدید حملے ہو رہے ہیں کہ عراق کی فوج کا بھی وہاں رکنا ممکن نہیں، لیکن داعش کی غلط پالیسیوں اور جہاد مخالف اقدامات کی وجہ سے سنی مجاہدین کمزور ہوتے چلے گئے اور عراقی فوج اور حکومت نے داعش کو اپنے علاقوں میں کھل کر کھیلنے کا موقع دیا اور ان کے لیے تمام راستے کھلے چھوڑ دیے۔

داعش نے اہلِ سنت کو چن چن کر قتل کیا، حتیٰ کہ وہ مسجد جس میں ابوبکر البغدادی نے خلافت کے قیام کا اعلان کیا تھا، وہ اہلِ سنت کی مسجد تھی، لیکن اس کے امام اور نمازیوں کو صرف اس وجہ سے قتل کر دیا گیا کہ انھوں نے ابوبکر بغدادی کو اپنا خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ وہاں غیر مسلموں کو ہر قسم کا امن اور تحفظ حاصل ہے، لیکن کلمہ گو لوگوں کا جینا حرام کردیا گیا ہے۔ خلافت کے ان جھوٹے دعوے داروں نے اپنے کچھ اصول وضع کیے ہیں جن کی بنیاد پر داعش سے عالمِ کفر سب سے زیاہ مطمئن اور عالمِ اسلام سب سے زیادہ پریشان ہے، اور یہی صفت نبی مکرم ﷺ نے خوارج کی بتائی تھی کہ وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے، جب کہ بت پرستوں کو کچھ نہیں کہیں گے۔

داعش کے اصول:

داعش نے اپنے مختلف بیانات میں اپنی جنگی حکمتِ عملی کے کچھ اصول وضع کیے ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

❀ اللہ نے ہمیں اسرائیل سے جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا۔[1]

❀ داعش کی جنگ کا بنیادی مقصد خلافت کا قیام ہے اور اس خلافت کے قیام میں جو رکاوٹیں ہیں، ان کو دور کیا جائے گا۔

دوسرے لفظوں میں جو ابوبکر بغدادی کو فوری طور پر خلیفہ تسلیم نہیں کرلیتا سب سے پہلے اس کے خلاف قتال کیا جائے گا۔ وہ امریکہ، اسرائیل پر حملہ نہیں کریں گے۔ فی الحال وہ ان تمام علاقوں پر خلافت کا قیام کریں گے، جہاں مسلمان موجود ہیں اور اس قیام کا طریقہ کار وہی ہوگا جو یہ اپناتے آرہے ہیں، یعنی جو بھی ان کی خلافت کا انکاری ہوگا، اس کا انجام قتل ہی ہوگا۔

❀ پہلے مرحلے میں اپنی خلافت کی سرحدیں پاکستان، سعودی عرب، افغانستان،

[1] http://q.gs/8LIrM/

شام اور عراق تک پھیلائیں گے۔[1]

اسرائیل غزہ پر بمباری کرے، بدھ مت برما میں مسلمانوں کی نسل کشی کریں، امریکہ پوری دنیا میں چن چن کر مسلمانوں کو ختم کرے، بھارت مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، لیکن چونکہ اللہ نے ہمیں ان سے لڑنے کا حکم نہیں دیا، لہٰذا ان سے ہماری کوئی لڑائی نہیں، ہمارا مقصد صرف خلافت کا قیام ہے۔

البتہ داعش فلسطینی جہادی تنظیم حماس پر حملہ کر چکی ہے۔[2] اسی طرح جہادِ شام میں مصروفِ عمل مجاہدین اور ان کے امرا کے قتلِ عام سے بھی ان کے ہاتھ سرخ ہیں۔

انہی سنہرے اصولوں کی تکمیل اور مسلمانوں کے باہمی ٹکراؤ کی خاطر عراق نے اسرائیل اور امریکہ کے دباؤ پر اپنی تمام تر آرمی سعودی عرب کے بارڈر سے ہٹا لی ہے۔ یہی وہ پسِ پردہ مقاصد ہیں جن کی خاطر داعش کو نہ تو امریکہ کچھ کہہ رہا ہے، نہ اسرائیل، نہ ہی ایران اور عراق، جب کہ یہ وہی ممالک ہیں جو کسی خطے میں مسلمانوں کی ذرا سی بھی طاقت ابھرتی ہوئے دیکھتے ہیں تو محض شک ہی کی بنیاد پر اس علاقے کو بارود کی بارش میں نہلا دیتے ہیں اور مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق ایک لمحے کے لیے بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتے، لیکن داعش جو پوری دنیا میں خلافت کی دعوے دار بنی ہوئی ہے اور خلافت کے نقشے جاری کر رہی ہے، اس کے خلاف یہ تمام ممالک بالکل چپ سادھے ہوئے ہیں، بلکہ

[1] http://q.gs/8LIrM/

[2] http://q.gs/8LIqa

امریکہ بیان دیتا ہے کہ داعش کے خلاف اس وقت کارروائی کریں گے جب ہمیں یقین ہو جائے گا کہ اس نے ایٹمی ہتھیار حاصل کر لیے ہیں۔[1]

یعنی اس تنظیم کو مزید چھوٹ دی جارہی ہے کہ فی لحال اس پر کسی قسم کی کارروائی نہیں کی جائے گی، یہاں تک کہ اس کو سونپے گئے ٹارگٹ کی تکمیل نہ ہو جائے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ اگر ان کی خلافت واقعتاً وہ خلافت ہوتی جسے ہندو، یہود اور نصاریٰ ایک لمحہ کے لیے بھی دیکھنا گوارہ نہیں کرتے تو کیا وہ داعشیوں کو یوں کھل کر کھیلنے کا موقع دیتے؟

یقیناً وہ ایسا کبھی نہ کرتے، بلکہ فوراً ان پہ حملہ کر دیا جاتا اور دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد قرار دے دیے جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بس دنیا کو دکھانے کے لیے ہلکی پھلکی گیدڑ بھبکیاں یا دو چار پٹاخے چھوڑنے پر اکتفا کیا جاتا ہے، تا کہ عام مسلمان یہی سمجھیں کہ کفر ان کے خلاف ہے، کیونکہ یہ تو عالمِ کفر کے پروردہ ہیں، ان کی توپوں کا رخ کفار کی طرف نہیں، بلکہ اہلِ اسلام کی طرف ہے۔ اردنی پائلٹ معاذ الکساسبہ کو زندہ جلانے کے بعد انھوں نے جن مطلوبہ افراد کی فہرست شائع کی، ان میں سے کوئی بھی غیر مسلم نہ تھا۔ یہ لوگ سلمان شاہ کے مزار کی، جو شرک کا اڈا ہے، حفاظت کرتے رہے، جب کہ دوسری جانب مسلمانوں کی مساجد کو خون میں نہلانے سے نہیں چوکتے۔

یہ لوگ اسلام کے نام پر کفر کو مسلمانوں پر مسلط کرنے والے ہیں، جہاد کے نام پر فساد برپا کرنے والے ہیں اور مسلمانوں ہی کے خون کے پیاسے

[1] http://q.gs/8LIpx

ہیں۔ انھوں نے جہادی تنظیموں کو کمزور کیا، مسلم حکومتوں کو دھمکیاں دیں، اسلامی ممالک کے امن کو خطرے میں ڈالا، بلادِ حرمین تک رافضیوں کو رسائی دی اور خود خاموش تماشائی بنے پاسبانِ حرمین اور آلِ مجوس کے مابین کشت وخون کا کھیل دیکھ رہے ہیں۔

یہ ان کا وہ مکروہ چہرہ ہے جس کی بنا پر عالمِ اسلام کے تمام تر زیرک علما نے انھیں خارجی قرار دیا اور نوجوانوں کو ان کے دامِ فریب سے بچے رہنے کی تلقین کی ہے اور کر رہے ہیں، کیونکہ یہ بھی دجال کے فتنے کی طرح بہت ہی پرفریب فتنہ ہے۔

جس طرح کمزور ایمان والے لوگ دجال کی چالبازیوں کو نہ سمجھ سکیں گے اور اسے اپنا خدا سمجھ بیٹھیں گے اور پھر اس کی خدائی کے دلائل بھی دیں گے کہ یہ دیکھو یہ آسمان سے بارش برساتا، زمین سے کھیت اگاتا اور اس طرح کے کام کرتا ہے، اس کے پاس ہی جنت وجہنم ہے۔ بالکل اسی طرح دین کے بارے میں سطحی علم رکھنے والے نوجوان جن کے دلوں میں غلبۂ اسلام کا جذبہ اور دین کی سربلندی کی اُمنگ ہے، وہ ان کے پرفریب نعروں اور عارضی کامیابیوں سے فریب خوردہ ہو کر ان کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں اور اب چونکہ ان کی حقیقت سمجھ کر واپس آنے والوں نے ان کے خلاف گواہیاں دینا شروع کر دی ہیں تو ان وحشی درندوں نے ایسے افراد کو بھی مرتد قرار دے کر قتل کرنا شروع کر رکھا ہے کہ کہیں ہماری حقیقت دنیا کے سامنے نہ کھل جائے۔

لیکن یہ راز آخر کب تک راز رہ سکتا تھا۔ اب تو بہت سی گواہیاں سامنے

آ چکی ہیں اور ان کے قبیح چہروں سے نقابیں الٹی جا چکی ہیں۔[1] بہت سے اہلِ علم نے ان کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد انکے خلاف فتاویٰ دیے ہیں، تاکہ لوگ ان کے شر سے بچ جائیں۔

[1] http://adf.ly/1HZiqe
http://adf.ly/1HZiy0
http://adf.ly/1HZj4p
http://adf.ly/1HZjFM
http://adf.ly/1HZjMF
http://adf.ly/1HZjT8
http://adf.ly/1HZjZP
http://adf.ly/1HZjez
http://j.gs/5mMo
http://j.gs/5mMr
http://q.gs/8LIUL
http://q.gs/8LIV7

داعش یا خوارج ...؟

نوجوان عموماً جوشیلے اور تیز مزاج کے حامل ہوتے ہیں۔ جوانی کا گرم لہو لڑنے بھڑنے کا شیدائی ہوتا ہے۔ چونکہ جسم مسلسل مضبوطی اور قوت میں بڑھ رہا ہوتا ہے تو کچھ کرگزرنے کا جذبہ، اپنی قوت کا لوہا منوانے کا شوق، احساسِ برتری اور دشمن کو زیر کرنے کی فکر بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔تو انھیں جب کبھی اپنی قوت دکھانے اور حدود و قیود سے آزاد ہونے کا موقع ملتا ہے، وہ اسے ضائع نہیں کرتے۔

ہلڑبازی، شوخا پن، اکھاڑ پچھاڑ، سرکشی اور بغاوت تو آج کے نوجوانوں کی خاص صفات بن چکی ہیں۔ ہر انسان چھوٹا ہو یا بڑا، آج کل اقتدار اور طاقت کے حصول کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کہیں سے آسان طریقے سے حکومت ملتی نظر آتی ہے تو اس جانب نوجوان طبقہ بہت تیزی سے لپکتا ہے، تاکہ کہہ سکے: ''اب ہماری حکومت ہے۔''

سلطنت و اقتدار کے اسی جذبے نے بہت سے عاقبت نااندیش نوجوانوں کو تکفیر و خروج پر ابھار دیا ہے۔ یہ دینِ اسلام سے محبت کرنے والے، غلبۂ اسلام چاہنے والے، جہاد سے شغف رکھنے والے اور خلافت کا دم بھرنے والے ہیں، لیکن ان کی جلدبازی اور کم فہمی نے انھیں حق کے راستے سے دور کر دیا ہے۔ علومِ شرعیہ سے غافل ہونے اور کتاب و سنت کے علم میں عدمِ پختگی

کے باوجود، راسخ اہلِ علم سے راہنمائی نہ لینے کی عادت اور شرعی مسائل کا فیصلہ کتاب وسنت کی روشنی میں حل کرنے کے بجائے اپنے جذبات کو حاکم بنانے کی روش نے ان کی گمراہی کو ان کے لیے خوشنما بنا دیا ہے۔

خلافت وامارت کا قیام ہر کلمہ گو مسلمان کے دل کی خواہش ہے، لیکن اس کے لیے جو طریقہ کتاب اللہ نے مقرر کیا ہے، اس میں صبر، تحمل، بردباری اور مسلسل دعوت جیسے کٹھن مراحل ہیں، پھر دعوت کے مسدود راستے کھولنے، مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم کا بدلہ لینے، اہلِ اسلام کے مقبوضہ علاقے چھڑانے اور فتنہ وفساد کے خاتمے کے لیے ضرورت پڑے تو جہاد کیا جاتا ہے۔

یعنی اسلامی آڈیالوجی میں کفار کے خلاف جہاد کو آخری حربے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ غلبۂ اسلام یا قیامِ خلافت کے لیے بنیاد نہیں، بلکہ اس کی اساس تو دعوت اِلی اللہ ہے۔ جہاد تو اس دعوت کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میدانِ جہاد میں بھی بلاوجہ قتل و غارت سے منع کرتا اور حکم دیتا ہے کہ کسی عورت کو قتل نہ کیا جائے، بچوں کو نہ مارا جائے، جو بھی جوان ہتھیار ڈال دے اسے موت کے گھاٹ نہ اتارا جائے اور جنھیں قتل کرنا ہے، انھیں بھی اچھے انداز سے قتل کرو۔ کسی کو قتل کرنے کے بعد اس کے اعضا (ناک کان وغیرہ) نہ کاٹو۔

الغرض اسلام میں کسی بھی ظلم کا بدلہ جذبات سے نہیں، بلکہ صبر وتحمل سے اسلام کے مقرر کردہ قوانین کی روشنی میں دیا جاتا ہے۔ وحشیانہ سزائیں، دشمنوں پر جبر واستبداد، دل میں انتقام کی آگ بڑھا کر شرعی حدود وقیود سے نکل جانا، یہ مسلمانوں کا شیوا نہیں ہے، لیکن جوانی کا گرم خون حکمتوں اور مصلحتوں کو بالائے طاق

رکھ کر، اللہ کی مقرر کردہ حدوں کو پھلانگ کر، مسلم حکام سے انتقام لینے کی سعی اور حکومت و سلطنت کے حصول کی تگ و دو کرتا ہے، تو اسے بغاوت اور خروج کہا جاتا ہے۔ بظاہر تو ان کا نعرہ نہایت ہی خوشنما ہوتا ہے کہ وہ رب کی دھرتی پہ رب کا نظام چاہتے ہیں، اسلامی خلافت و امارت کو کھڑا کرنا چاہتے ہیں، حدود اللہ کے نفاذ کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن یہ لوگ جو انداز اور طریقہ کار اپنا لیتے ہیں، وہ سراسر اسلام کے منافی ہوتا ہے۔

مسلمان حکام خواہ کتنے ہی ظالم اور فاسق و فاجر کیوں نہ ہوں، دین کبھی ان کی نافرمانی کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ مطالبہ کرتا ہے کہ تم ان حکمرانوں کا حق ادا کرو اور اپنا حق اللہ سے مانگو! لیکن خوارج کے ہاں سوائے جذبات کے اور کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ وہ معاملے کو اپنے جذبات کے ترازو میں تولتے ہیں اور ہر مسئلے کا حل اپنے جذبات سے چاہتے ہیں، نہ تو دینی احکامات کا اتنا علم رکھنے والے ہوتے ہیں اور نہ اپنے سوا کسی بھی راسخ فی العلم عالمِ دین کو عالمِ حق تسلیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں لڑنے بھڑنے اور طاقت آزمانے کے سوا کچھ نہیں سوجھتا اور وہ اس حماقت کو اپنی دلیری قرار دیتے ہیں۔ یہی خوارج کا طرۂ امتیاز رہا ہے اور اب تک ہے۔

حال ہی میں ظاہر ہونے والی تنظیم ''داعش'' نے بھی یہی طرزِ عمل اپنایا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو سلفی المنہج جماعت کہتے ہیں۔

آیندہ سطور میں ہم خوارج کی وہ صفات ذکر کریں گے جو داعش میں پائی جاتی ہیں، تاکہ لوگ جان سکیں کہ خونخواروں کا یہ گروہ کس قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔

داعش میں پائی جانے والی خوارج کی صفات:

داعش میں ایسی صفات پائی جاتی ہیں، جن کی بنا پر انھیں دنیا بھر کے راسخ علما نے خوارج قرار دیا ہے، مثلاً:

① انھوں نے تمام تر اسلامی ممالک کو کافر ملک قرار دیا ہے اور اپنے زیرِ تسلط علاقوں کی طرف ہجرت کرنے کو مسلمانوں پر لازم قرار دے دیا ہے۔

② وہ اپنے مخالفین کو کافر اور مرتد قرار دیتے ہیں اور ان پر خیانت، حکومتی ایجنٹ اور کفار کے آلہ کار ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔

③ ہر اس شخص کو قتل کرنا جائز سمجھتے ہیں جو ان کا ہم منہج نہ ہو، یا جو ان کی مزعومہ خلافت کو نہ مانے، اور اس طرح وہ نبیِ مکرم ﷺ کے فرمان: ''وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے۔'' کی عملی تفسیر بنے ہوئے ہیں۔

④ مسلمانوں کا مال لوٹنا بھی اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں، کیوں کہ وہ انھیں منحرف جماعتیں یا مرتد لوگ قرار دیتے ہیں۔

⑤ وہ مسلمانوں کی (جماعت) سے خارج ہو چکے ہیں اور اپنے آپ ہی کو حق پر سمجھتے ہیں۔ اپنی مزعومہ خلافت کی بیعت نہ کرنے والوں کو کافر و مرتد قرار دیتے ہیں اور اپنے مزعومہ خلیفہ کی بیعت کو واجب سمجھتے ہیں۔

⑥ ان میں کوئی بھی راسخ فی العلم عالمِ دین موجود نہیں کہ جس کا اہلِ علم کے ہاں کوئی مقام ہو، یا راسخ علما جسے صحیح عالم سمجھتے ہوں (یہاں یہ بات یاد رہے کہ مدرسہ میں پڑھنے والا یا ڈگری حاصل کر لینے ولا ہر شخص ماہرِ فن یا راسخ عالم نہیں ہوتا!) جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج سے مناظرہ کرتے

ہوئے فرمایا تھا: میں تمھارے پاس نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے پاس سے آیا ہوں، انہی کی موجودگی میں قرآن نازل ہوا اور وہ اس کی تفسیر کو تم سے بہتر سمجھتے ہیں، جب کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے۔

⑦ ان کی اکثریت کم علم اور نوعمر افراد پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ خوارج کم علم اور کم عمر ہوں گے۔

⑧ انھوں نے بھی قیامِ خلافت کا نعرہ لگا کر مسلمان نوجوانوں کے دل جیتنے کی کوشش کی، لیکن اپنے اعمال و کردار کی بنا پر اسلام کو بدنام کر کے فرمانِ رسول اللہ ﷺ: ''باتیں بڑی اچھی کریں گے، لیکن ان کے کام انتہائی برے ہوں گے۔'' کے مصداق بن چکے ہیں۔

⑨ یہ لوگ بھی بظاہر بہت ہی با شرع، نمازی اور سنت پر عمل کرنے والے محسوس ہوتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ دین سے نکل چکے ہیں، کیوں کہ وہ مسلمانوں کا قتلِ عام کرتے، انھیں مرتد و کافر قرار دیتے اور اپنے لیے قرآنی احکامات کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یہ دوسروں پر شریعت نافذ کرنا چاہتے ہیں، لیکن خود پر نہیں!

⑩ ان کی کم علمی اور جہالت کا عالم بھی ایسا ہی ہے کہ وہ قرآن سے جو دلائل اپنے حق میں پیش کرتے ہیں، حقیقت میں وہی دلائل ان کے خلاف ہوتے ہیں۔

⑪ اس فتنے کا ظہور بھی مشرق یعنی فتنوں کی سرزمینِ عراق سے ہوا ہے۔

سلفیت اور داعشیت

مؤلف

محمد رفیق طاہر

سلفیت اور داعشیت

داعش کا فتنہ جب سے نمودار ہوا ہے، اس وقت سے اب تک یہ مسلسل نت نئے فتنوں کو جنم دیتا چلا جا رہا ہے۔ داعشیوں نے بھی باقی فتنوں کی طرح سلفیت کو بدنام کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اپنی خونخواری پر سلفیت کا لیبل لگا لیا، تاکہ صحیح العقیدہ سادہ لوح مسلمان ان کے بہکاوے میں آ سکیں۔

دوسری طرف سلفیت کے دشمنوں نے اس موقعے کو غنیمت جانا اور پہلے بھرپور طریقے سے داعش کو سلفی قرار دیا اور پھر ان کی سفاکیت و خارجیت کو بنیاد بنا کر سلفیت کو سفاک، خونخوار اور خارجی کہہ کر بدنام کرنا شروع کر دیا۔

ایسی چال چلنے والوں میں عالمِ کفر سرِفہرست ہے۔ دوسرے نمبر پر قبر پرست اور صوفیوں کا طبقہ ہے اور تیسرے نمبر پر ان دونوں سے متاثر ہونے والے لوگ ہیں۔ آیندہ سطور میں ہم سلفیت اور داعشیت کے مابین چند فرق بیان کریں گے، تاکہ خارجیت، داعشیت اور سلفیت کے مابین فرق واضح ہو سکے:

1. سلفی یا اہلِ حدیث، حکمرانوں کو کافر قرار نہیں دیتے، خواہ وہ کتنے ہی ظالم اور فاسق ہوں اور وہ اس وقت تک ان کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے جب تک ان میں واضح کفر نہ دیکھ لیں کہ جس کے بارے میں اللہ کی

طرف سے واضح دلیل موجود ہو۔[1]

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ان کے ہر کام کو درست قرار دیتے ہیں، بلکہ ان کے افعال و اقوال کو شریعت کی میزان میں تولتے ہیں اور حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتے ہیں اور غلط کاموں پر حکام کو تنبیہ و نصیحت کرتے ہیں۔

جبکہ داعشی اور خارجی لوگ حکام کو کافر اور مرتد قرار دیتے ہیں اور انھیں اصلی کفار (عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں وغیرہ) سے بڑا کافر قرار دیتے ہیں۔

2. سلفی یا اہلِ حدیث حکمرانوں کی اطاعت کو واجب سمجھتے ہیں۔[2] وہ اپنے حکام کی اطاعت کرتے ہیں جب تک انھیں معصیت کا حکم نہ دیا جائے، اگر حاکمِ وقت شریعت کی خلاف ورزی کا حکم دے تو اس کی بات نہیں مانتے۔[3]

جبکہ داعشی و خارجی انھیں سرے سے اپنا حکمران ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے اور نہ ان کی اطاعت کو اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں، بلکہ وہ تو حکمرانوں کو طاغوت سمجھتے اور ان کے خلاف خروج کو واجب قرار دیتے ہیں۔

3. سلفی تو حکمرانوں کے قتل کو جائز قرار نہیں دیتے، کیونکہ وہ انھیں مسلمان سمجھتے ہیں۔[4]

جبکہ داعشی، حکمرانوں کو قتل کرنا اپنے لیے جائز اور ان کا مال لوٹنا اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (7065)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (7065)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (7257)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (25) صحيح مسلم، رقم الحديث (1855)

④ سلفی ذہنیت کے حامل لوگ حکومت، پولیس، فوج اور پرامن رہنے والے شہریوں کا کشت و خون کرنا حرام سمجھتے ہیں۔[1]

جبکہ داعشی و خارجی فکر کے حامل افراد ان کا قتلِ عام کرتے اور انھیں کافر و مرتد قرار دے کر ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگتے ہیں۔

⑤ سلفی یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ مسلمان ممالک دار الاسلام ہیں اور ان میں خون خرابہ کرنا جائز نہیں، بلکہ ظلم وستم کے باوجود حکام کی اطاعت کرنا واجب ہے۔[2]

جبکہ داعشی و خارجی آ ڈیالوجی کے مطابق یہ تمام تر ممالک دار الکفر ہیں۔

⑥ اسی بنا پر سلفی ان علاقوں میں ہونے والے قتل و قتال کو فساد اور دہشت گردی سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے شرعی جہاد نہیں مانتے۔[3]

جبکہ داعشی و خارجی اس قتل و غارت گری کو عین جہاد قرار دیتے ہیں اور اسے عین ثواب سمجھ کر سرانجام دیتے ہیں۔

⑦ سلفی و اہلِ حدیث حکمرانوں کے لیے دعاے خیر کرتے ہیں اور اللہ سے ان کی ہدایت اور نیک کاموں کے لیے توفیق کی دعا مانگتے ہیں۔[4]

جبکہ داعش وخوارج ان حکام کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے، لہٰذا وہ ان کے لیے دعائے خیر نہیں کرتے، بلکہ بددعا کرتے ہیں، ان کے خلاف قنوتِ نازلہ کا

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (25)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (1847)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (1852)

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (55)

با قاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے اور حکمرانوں کو بددعائیں دی جاتی ہیں۔

8 سلفی، یعنی اہلِ حدیث حکومت کے خلاف خروج، حکومتوں کا تختہ الٹنا اور اقتدار کی رسہ کشی میں شریک ہونا درست نہیں سمجھتے۔ سو وہ حکومت مخالف انقلابات وغیرہ میں حصہ نہیں لیتے۔[1] بلکہ وہ تو مسلم حکمرانوں کو نصیحت کرکے، دعوت دے کر اور ان کے لیے اللہ سے دعا کرکے خیر وبھلائی کی توقع رکھتے ہیں۔[2] کیونکہ انھیں اقتدار کی کوئی چاہت نہیں ہوتی۔

جبکہ داعشی، یعنی خارجی نقطہ نظر کے حاملین مظاہروں، ہڑتالوں، انقلابوں، حتی کہ قتل وغارت کے ذریعے حکومت حاصل کرنا اپنا شرعی فریضہ سمجھتے ہیں۔ جیسے بھی ممکن ہو سکے، اقتدار کا حصول ان کا مقصدِ اولین ہے۔ جبکہ سلفیوں کے پر امن طریقہ کار کو وہ ارجاء کا نام دیتے ہیں اور انھیں سرکاری مُلا، حکومت کے زرخرید غلام، طاغوت کے پٹھو اور ایسے دیگر القابات سے نوازتے ہیں۔

9 سلفیوں کا ایمان ہے کہ جہاد قیامت تک کے لیے جاری وساری ہے، لیکن یہ اس وقت کیا جائے گا جب اس کی شرائط پوری ہوں، موانع ختم ہو جائیں اور اس کی ضرورت محسوس کی جائے۔ جہاد کی ضرورت دنیا بھر میں دعوت الی اللہ کے راستے کھولنے کے لیے، [البقرة: ١٩٣] مسلمانوں پر حملہ آور کافروں کو پیچھے دھکیلنے کے لیے، [البقرة: ١٩٠] مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم کے خاتمے کے لیے، [الأنفال: ٧٢] مسلم اراضی کفار سے چھڑانے کے لیے، [البقرة: ١٩١] کفار سے جزیہ وصول کرنے کے لیے، [التوبة: ٢٩]

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (1847، 1855)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (55)

مسلمان مقتولوں کا کافروں سے بدلہ لینے کے لیے، [البقرۃ: ۱۷۸] کفار کو عہد شکنی کی سزا دینے کے لیے، [التوبۃ: ۱۲] شعائرِ اسلام کی توہین کی وجہ سے [التوبۃ: ۱۲] محسوس کی جاتی ہے، اور ان مقاصد کے حصول تک جہاد کیا جاتا ہے۔ جہاد کے لیے شرط ہے کہ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے لیے کوئی ایسا بڑا فتنہ کھڑا ہونے کا اندیشہ نہ ہو کہ جس سے مسلمانوں کی دعوت کو نقصان پہنچے۔[1]

جبکہ خارجیوں اور داعشیوں نے "اَلْجِهَادُ مَاضٍ" کا معنی یہ سمجھ لیا ہے کہ قیامت تک مسلسل قتل وقتال ہوتا رہے گا، کوئی وقت بھی دنیا پر ایسا نہیں آئے گا جب دنیا کے کسی حصے میں قتال نہ ہو رہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کا بس کسی حربی کافر پہ نہیں چلتا تو وہ کسی معاہد کافر یا مسلمانوں ہی کو قتل کرنا شروع کر دیتے ہیں، بلکہ بت پرستوں سے لڑنے کے بجائے اہلِ اسلام سے لڑتے ہیں اور کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کو اپنا اصل اور بڑا دشمن قرار دیتے ہیں۔

10. سلفی، معاہد (جو کافر کسی معاہدے کے تحت یا اجازت لے کر مسلمانوں کے ملک میں داخل ہوا ہو) اور مستامن (جو کافر مسلمانوں سے امن کی درخواست کرے اور مسلمان اسے امان دے دیں) کو قتل کرنا حرام جانتے ہیں۔[2]

جبکہ خارجی و داعشی معاہدین و مستامنین کو بھی قتل کرنا جائز بلکہ واجب سمجھتے ہیں۔

11. سلفیوں کا عقیدہ ہے کہ قوانینِ وضعیہ دو طرح کے ہوتے ہیں:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (3518)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (3166، 3180)

پہلی قسم ان قوانین کی ہے، جو شریعتِ اسلامیہ کے مخالف ومتضاد ہیں تو یہ قوانین مردود اور کفر ہیں۔ تاہم ان قوانین کو نافذ کرنے اور بنانے والے دو قسم کے ہیں: ایک وہ جو ان کو اسلامی قوانین سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ایسا سمجھنا کفر ہے۔ دوسرے وہ جو اسلامی قوانین کی حقانیت کے تو قائل ہیں، لیکن بوجوہ وہ ان کو نافذ نہیں کر پاتے۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ ان کی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔

دوسری قسم ان قوانین کی ہے جو شریعت کے مخالف نہیں ہیں، جیسے انتظامی معاملات سے متعلق قوانین تو یہ نہ تو کفر ہیں نہ ہی جہالت، بلکہ ان پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔ [الشوریٰ: ۳۸][1]

جبکہ خارجی اور داعشی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام تر قوانینِ وضعیہ جہالت، کفر اور ضلالت ہیں اور انھیں نافذ کرنے والا ہر کوئی کافر اور مرتد ہے۔

12 سلفی کسی بھی ایسے کافر کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے کے قائل ہیں جو دین کی وجہ سے مسلمانوں سے نہیں لڑتا اور مسلمانوں کو تنگ نہیں کرتا اور انھیں ہجرت پر مجبور نہیں کرتا۔ [الممتحنة: ۸]

جبکہ خارجی یا داعشی کسی بھی کافر کے ساتھ حسنِ سلوک روا نہیں رکھتے نہ ہی ان کے ساتھ انصاف سے پیش آتے ہیں۔

13 اہل الحدیث یا سلفی کے ہاں قاعدہ ''جو کافر کو کافر نہ مانے وہ بھی کافر ہے'' کا اطلاق واضح کافر اور مرتد پر ہوتا ہے، جنھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کافر قرار دیا ہے۔[2]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (3594)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (6103)

جبکہ خارجی یا داعشی پہلے تو مسلمانوں کی بے جا تکفیر کرتے ہیں اور پھر جو اسے کافر نہ مانیں، انھیں بھی کافر گردانتے ہیں۔

14 سلفیوں کا مقصد لوگوں کو دعوت دے کر انھیں جہنم سے بچانا اور جنت کی راہ پر چلانا ہے۔[1]

جبکہ داعشیوں خارجیوں کا وتیرہ لوگوں کو کافر اور مرتد قرار دے کر انھیں قتل کرنا اور اپنے تئیں ان مقتولوں کے ذریعے نارِ جحیم بھڑکانا ہے۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (6483)

داعش کا تسلط

اور

اسلامی خلافت

مؤلف

محمد رفیق طاہر

داعش کا تسلط اور اسلامی خلافت

(ایک داعشی اور سلفی کا مکالمہ)

خراسانی: السلام علیکم!

سلفی: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! .... سناؤ خراسانی! کیسے آنا ہوا؟

خراسانی: میں آپ سے آخری ملاقات کرنے آیا ہوں، شاید ہم دوبارہ نہ مل سکیں۔

سلفی: وہ کیوں؟

خراسانی: ابوبکر بغدادی حفظہ اللہ امیر المومنین بن چکے ہیں، انھوں نے قیامِ خلافت کا اعلان کر دیا ہے، اب چونکہ خلافت قائم ہو چکی ہے تو میں اس جمہوری نظام کے تحت زندگی نہیں گزارنا چاہتا۔ اس لیے میں ہجرت کر کے جا رہا ہوں اور تمھیں بھی دعوت دیتا ہوں کہ تم بھی خلیفۃ المسلمین کی بیعت کرلو، آخرت کی کامیابی اسی میں ہی ہے۔

سلفی: یہ کون سی خلافت ہے کہ ایک کونے میں چھپ کر چند افراد ایسے بندے کو خلیفہ قرار دے دیں جسے امت جانتی ہی نہیں؟

خراسانی: تو کیا تم بغدادی کو خلیفہ نہیں مانتے؟

سلفی: میں تو اسے خلیفہ نہیں خارجی مانتا ہوں۔

خراسانی: کیا مطلب؟

سلفی: میں اپنے ساتھ سو پچاس نمازیوں کو جمع کر کے آج مغرب کی نماز کے بعد اپنی خلافت کا اعلان کر دوں تو کیا تم مجھے خلیفہ مان لو گے؟

خراسانی: نہیں۔

سلفی: پھر میں بغدادی خلافت کو کیوں مانوں؟

خراسانی: تم تو خواہ مخواہ ہی الجھنا شروع کر دیتے ہو۔ دیکھو! داعش نے خلافت قائم کر کے دنیا بھر سے مسلمانوں کو ہجرت کی دعوت دی ہے اور جب ایک خلیفہ بن جائے تو دوسرا کوئی بھی شخص شرعی خلیفہ نہیں بن سکتا، کیونکہ ایک وقت میں شرعی خلیفہ صرف ایک ہی ہوتا ہے اور خلیفہ کی اطاعت واجب ہے۔

سلفی: یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو بھی پہلے خلافت کا دعویٰ کر دے، وہ خلیفہ ہوا خواہ وہ جعلی طریقے سے ہی دعوے دار بن جائے؟ بس پہل کر لے!

خراسانی: صرف پہل کرنے کی بات نہیں، اس میں خلافت کی شرطیں بھی پوری ہوتی ہوں تو تب وہ خلیفہ بن سکے گا، ورنہ نہیں۔

سلفی: وہ شرطیں کیا ہیں؟

خراسانی: بہت سی شرطیں ہیں، مثلاً: وہ خود امارت کا طلب گار نہ ہو، لوگ اتفاق رائے سے اسے خلیفہ یا امیر مقرر کریں، اس کے فضل و شرف کا سب کو اعتراف ہو، وہ کوئی متنازع شخصیت نہ ہو۔ علم، ورع، تقویٰ، زہد جیسی عالی صفات اس میں موجود ہوں۔

سلفی: تو کیا یہ ساری شرطیں ابوبکر بغدادی میں پائی جاتی ہیں؟

خراسانی: بالکل!

سلفی: آپ نے شرطوں میں ذکر کیا کہ اسے لوگ اتفاق رائے سے خلیفہ مقرر کریں، جب کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی اکثریت اس کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتی۔ باقی شرطوں پر بات بعد میں کریں گے پہلے اسی شرط کو پورا کرکے دکھائیں بغدادی خلیفہ میں!

خراسانی: جو لوگ وہاں موجود تھے ان سب نے ان کے خلیفہ ہونے پر اتفاق ہی تو کیا تھا! اور پھر جس جس کو ان کی خلافت پر اتفاق ہے، وہ سب ان کی بیعت کرتے جا رہے ہیں۔

سلفی: جب اسے خلیفہ قرار دیا گیا، اس وقت گنتی کے چند لوگ وہاں تھے اور وہ بھی القاعدہ سے جدا ہونے والے نیم خارجی ذہن کے افراد۔ دو ارب سے زائد افراد پر مشتمل امتِ مسلمہ میں سے چند ہزار افراد مل کر کسی شخص کو پوری امت کا خلیفہ کیسے قرار دے سکتے ہیں اور وہ شخص بھی ایسا جسے دعوائے خلافت سے قبل کوئی نہیں جانتا تھا؟!

خراسانی: پھر تم ہی بتاؤ، اگر خلیفہ کے انتخاب کا یہ طریقہ درست نہیں تو کیسے چناؤ ہوگا؟

سلفی: خلیفہ کا انتخاب مشورے کے ذریعے ہوتا ہے۔

خراسانی: مشورہ کون لوگ دیتے ہیں؟

سلفی: جو لوگ مشورہ دینے کے اہل ہوتے ہیں وہی مشورہ دیتے ہیں، انھیں اہلِ شوریٰ کہا جاتا ہے۔

خراسانی: پتا کیسے چلے گا کہ کون مشورہ دینے کا اہل ہے؟

سلفی: یہی بات اچھی طرح سمجھنے کی ہے کہ مشورہ دینے کے اہل لوگوں کا پتا کیسے چلایا جائے گا۔ جان لیجیے کہ مشورے کے اہل صرف اہلِ تقویٰ، اہلِ بصیرت اور اہلِ علم ہیں۔ اور یہ ایسی کیفیات ہیں کہ جنھیں ماپنے کے لیے کوئی پیمانہ نہیں، بلکہ اسلامی معاشرہ خود انھیں محسوس کرتا ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو عقیدے کی بنا پر ایک ملت قرار دیا ہے اور ملت معاشرے کے افراد کا نام ہے، ان افراد میں سے ملّی اور دینی خدمات کی بنا پر ملّی راہنما خود بخود فطری طریقے سے ابھر کر سامنے آتے ہیں اور یہ کام ہر معاشرے میں ہوتا ہے۔ اگر معاشرہ اسلامی ہوگا تو وہاں جس کی دینی خدمات زیادہ ہوں گی، مسلمان اسے دینی راہنما تصور کریں گے اور یہ راہنما نہ تو روپے پیسے کے زور پر ابھرتے ہیں، نہ ہی جمہوری ہلڑ بازی انھیں میدان میں لاتی ہے، نہ ہی چند افراد مل بیٹھ کر انھیں راہنما ہونے کا تمغہ دیتے ہیں اور نہ ہی یہ خود اپنے راہنما ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

آپ سیرت کا مطالعہ کیجیے، آپ کو چند نمایاں نام نظر آئیں گے، مثلاً: عشرہ مبشرہ، مہاجرین، انصار، اصحابِ بدر، اصحابِ رضوان وغیرہم۔ یہ سب گروہ کس طرح معرضِ وجود میں آئے؟ یہ مسلمانوں کے وہ راہنما تھے جو دینی خدمات کی بدولت معاشرے میں ابھر کر سامنے آ گئے اور یہی لوگ مشورے کے اہل سمجھے گئے۔ ان لوگوں کو ان کی ملّی خدمات کی بنا پر مسلمانوں کی قیادت ملی اور ایسی قیادت ہی ملت کی نمایندگی کا حق ادا کر سکتی ہے۔ جمہوریت میں قیادت علاقے کی بنا پر اکثریت کی بنیاد پر ابھرتی ہے جو اکثر لوگوں کی نمایندہ ہوتی ہے،

اور بغدادی خلافت جو سارے مسلمانوں کی قیادت ہونے کی دعوے دار ہے وہ تو اس اعتبار سے جمہوریت سے بھی گئی گزری ہے کہ اسے تو اکثریت کیا، ایک فیصد مسلمانوں کی نمایندہ کہنا بھی مشکل ہے۔

خراسانی: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تو چند افراد پر مشتمل ایک شوریٰ بنائی تھی، جو خلیفہ کا انتخاب کرتی تھی تو آج اگر خلیفۃ المسلمین ابو بکر البغدادی حفظہ اللہ کو چند افراد نے منتخب کر لیا تو اس میں کون سی قیامت ٹوٹ پڑی؟

سلفی: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو شوریٰ منتخب کی تھی، ان میں سے کسی ایک بندے پر دنیا بھر کے مسلمانوں میں سے کسی ایک فرد کو کوئی ایک بھی اعتراض تھا؟

خراسانی: نہیں!

سلفی: یہی فرق ہے بغدادی خلافت اور اسلامی خلافت کے انتخاب میں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو اراکینِ شوریٰ منتخب کیے تھے وہ متفق علیہ افراد تھے، جبکہ داعشی خلیفہ کے اراکینِ شوریٰ تمام تر اہلِ اسلام کے نزدیک مردود اور ناپسندیدہ ہیں۔

خراسانی: تمام تر اہلِ اسلام کے نزدیک تو نہیں، بہت سے لوگ ماننے والے ہیں ان کی خلافت کو۔

سلفی: ماننے والے، نہ ماننے والوں کے مقابلے میں ایک فیصد بھی نہیں اور جو اتنے تھوڑے ہوتے ہیں ان کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہوتا ہے۔

خراسانی: تو پھر خلافت کیسے آئے گی؟

سلفی: خلافت کے قیام کا آج بھی وہی طریقہ ہے جو آغازِ اسلام میں تھا۔ پہلے تو

دعوت کے ذریعے معاشرے کو شرک سے پاک کیا جائے یا کم از کم اس قدر لوگوں کو توحید آشنا کر لیا جائے کہ اہلِ شرک نہ ہونے کے برابر رہ جائیں، جب لوگوں میں ایمان آ جائے گا تو خلافت زور لگائے بغیر خود ہی قائم ہو جائے گی۔ آپ دیکھتے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں توحید کی دعوت دی، ہجرت سے کچھ پہلے نمازیں فرض ہوئیں، اس کے بعد ہجرت ہوگئی اور مدینہ میں جب مسلمان عقیدے اور عمل میں پختہ ہو گئے تو ایک اسلامی حکومت معرضِ وجود میں آ گئی۔

خراسانی: تو کیا ہم اب تبلیغی جماعت کی طرح دعوت و تبلیغ ہی کرتے رہیں اور طاغوتی نظاموں کو کچھ نہ کہیں؟

سلفی: میں نے کب کہا ہے کہ تم کفر کے اماموں کو کچھ نہ کہو، دعوت کے ساتھ ساتھ جہاد ایک اہم جزو ہے۔ جہاں آپ کو دعوتِ توحید میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، نماز، روزے پر کوئی پابندی نہیں۔ آپ دین کے جس رکن پر عمل پیرا ہونا چاہیں ہو سکتے ہیں، وہاں آپ دعوت دیں اور لوگوں کو ایمان میں مزید پختہ کریں۔ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو حق پہنچائیں اور جہاں کفار مسلمانوں پر ستم ڈھا رہے ہیں انھیں آزادی سے اسلام پر عمل پیرا نہیں ہونے دیتے، مسلمانوں کے علاقوں پر قابض ہوئے بیٹھے ہیں، وہاں آپ مسلمان حکمرانوں کے ذریعے سے بھرپور تیاری کر کے علمِ جہاد بلند کریں۔

خراسانی: تو آپ کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ملک سے باہر جا کر جہاد کرتے رہیں اور ملک میں حکمران جو چاہیں کرتے پھریں؟

سلفی: میں نے کہا ناں کہ انھیں دعوت دو۔ جب یہ لوگ آپ کی دعوت مان لیں گے تو ملک میں خون خرابہ کیے بغیر اسلامی نظام کھڑا ہو جائے گا۔ آپ اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں، سلف کو دیکھیں تو سہی کہ انھوں نے کیا کردار ادا کیا تھا؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ناصر الدین قلاؤن کے ساتھ مل کر تاتاریوں کے خلاف جہاد کیا تھا، حالانکہ وہ خود بھی شرکیہ نعرے لگانے والا تھا۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے دعوت دی اور سمجھایا، مگر اس کے خلاف علمِ جہاد بلند نہیں کیا، نہ ہی اس پر کفر کے فتوے لگائے۔

مجددِ امتِ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کو دیکھیں تو انھوں نے بھی حکام کے خلاف خروج نہیں کیا، بلکہ انھیں دعوت دی ہے اور اپنے ساتھ ملایا ہے۔ ہم بھی جب اپنے حکام کو ان کے مقام و مرتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوت دیں گے تو یقیناً وہ بھی اس سے ضرور متاثر ہو جائیں گے اور جب حکام درست ہو گئے تو پھر نظام خود ہی درست ہو جائے گا اور اسلامی طرزِ حکمرانی سے ہم مستفید ہوں گے اور یہ طریقہ مخلوق کا بنایا ہوا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمایا ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۚ ﴾ [النور: ۵۵]

''اللہ نے ان لوگوں میں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور ہی

جانشین بنائے گا، جس طرح ان لوگوں کو جانشین بنایا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور ہی اقتدار دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ہر صورت میں انھیں ان کے خوف کے بعد بدل کر امن دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔''

تو اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تین انعام دینے کا وعدہ کیا ہے:

1. خلافت۔ 2. غلبۂ دین۔
3. امن۔

اور یہ وعدہ ان لوگوں کے لیے ہے جو چار کام کریں:

1. ایمان لے آئیں۔ 2. نیک اعمال کریں۔
3. اللہ کی عبادت کریں۔ 4. شرک سے بچیں۔

اور ہم ایسا معاشرہ، جس میں یہ چاروں صفات موجود ہوں، دعوت ہی کے ذریعے پیدا کر سکتے ہیں۔

خراسانی: اچھا تو اس کا مطلب ہوا کہ غلبۂ اسلام اور خلافت کا جہاد سے کوئی تعلق نہیں؟

سلفی: یہ کس نے کہا ہے کہ جہاد کا غلبۂ اسلام اور خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے تو ایک آیت آپ کے سامنے پیش کی ہے، جس میں قیامِ خلافت، استحکامِ امن اور غلبۂ اسلام کا طریقۂ کار اللہ نے متعین فرمایا ہے۔

خراسانی: لیکن اس میں آپ نے جہاد کا تو ذکر ہی نہیں کیا۔ مجھے تو یہ تبلیغی

جماعت والا طریقہ لگتا ہے!

سلفی: دراصل آپ سمجھ بیٹھے ہیں کہ غلبۂ اسلام اور قیامِ خلافت کے لیے جہاد، اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے۔ حقیقت میں دعوت ہی غلبۂ اسلام اور قیامِ خلافت اور استحکامِ امن کی بنیاد ہے۔ جہاد اس کی بنیاد نہیں، بلکہ ضرورت ہے، یعنی جب ضرورت ہو گی تو جہاد کیا جائے گا۔ دعوت کے راستے کھولنے کے لیے، مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کو ختم کرنے کے لیے، مسلمانوں کے علاقے کفار کے پنجے سے چھڑانے کے لیے، فتنہ و فساد وغیرہ مٹانے کے لیے جہاد ہو گا۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ہمارا منہجِ سیاست دعوت و جہاد ہے۔ اسلام کا مزاج، قتل و غارت کا نہیں ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ مسلمان جس علاقے پر حملہ کریں، وہاں بھی انھیں بچوں، عورتوں، کمزور بوڑھے مردوں، حتی کہ ایسے نوجوانوں کو بھی قتل کرنے سے اسلام منع کرتا ہے جو ان کے خلاف لڑتے نہیں اور ہتھیار نہیں اٹھاتے۔ اتنی پر امن لڑائی کسی اور مذہب میں کہاں؟

اسی طرح ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''نبوت کے بعد خلافت رہے گی، پھر بادشاہت آئے گی اور پھر جبر و استبداد کے ساتھ سیاست ہوگی اور پھر خلافت ایسے قائم ہو گی جیسے نبوت کے طریقے پر پہلے قائم ہوئی۔''[1]

خراسانی: سلفی بھائی! نبوت کے طریقے پر خلافت آنے کا کیا مطلب ہے؟ یہ

[1] مسند احمد (8406)

طریقہ کیا ہے؟

سلفی: یقیناً نبی اکرم ﷺ نے دو ہی کام کیے: ایک ہے دعوت، اور جب اس دعوت کے عمل میں رکاوٹ آئی تو دوسرا کام کفار کے ظلم وستم کے مقابلے میں جہاد کیا اور کلمہ گو پر نہایت نرم رہے، حتی کہ عبد اللہ بن اُبی جیسے رئیس المنافقین اور اس کے ساتھیوں کے خلاف بھی کبھی تلوار نہیں اٹھائی۔ ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اپنوں میں دعوت کا کام اور جہاں کفار مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں وہاں جہاد کرنا چاہیے اور اپنے اندر وہ خصلتیں پیدا کرنی چاہئیں جس سے خلافت قائم ہوتی ہے۔ یہی خلافت لانے کا نبوی منہج ہے۔

خراسانی: یہ کام تو داعش بھی کر رہی ہے اور تم پھر بھی اس کو برا بھلا کہہ رہے ہو؟

سلفی: اگر تم تھوڑا سا جذبات پر قابو رکھو، یہی تو تم کو اتنی دیر سے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ داعش نبوی منہج کے بالکل الٹ چل رہی ہے۔ نبوی منہج ہے کہ آپس میں نرم اور کفار پہ گرم، جب کہ ان داعشیو ں نے مسلمان حکمرانوں سے لڑ کر حماس، افغان اور شامی مجاہدین کو شہید کر کے بتا دیا کہ یہ ایک طرف اپنوں پہ سخت ہیں اور دوسری طرف انڈیا، امریکہ اور اسرائیل کے خلاف ان کی لڑائی نہ ہونے کے برابر ہے، لہٰذا غیروں پر نرمی کی پالیسی اپنا کر انھوں نے نبوی طریقہ کار سے بالکل الٹ کام کیا۔

خراسانی: لیکن سلفی بھائی ان حکمرانوں نے بھی تو ظلم کی انتہا کر رکھی ہے۔ سب کچھ لوٹ کر کھا گئے ہیں۔ عوام ان سے تنگ ہے۔ ان کا کیا کیا جائے؟

سلفی: آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے، لیکن ایسے حکمران جو ظالم ہوں، کرپٹ ہوں، ان کے ساتھ ہمارا سلوک کیسا ہونا چاہیے، اس کی راہنمائی بھی نبی اکرم ﷺ سے مل جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میرے بعد ایسے حکام ہوں گے جو نہ تو میری سنت کی پیروی کریں گے اور نہ ہی میرے طریقے کی پیروی کریں گے، ان میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کے جسم انسانوں کی مانند، لیکن ان کے دل شیطانوں کی مانند ہوں گے، اگر تم ایسا زمانہ پالوتو ایسے حاکم کی اطاعت کرنا، چاہے وہ تمھاری پیٹھ پر کوڑے مارے یا سارا مال چھین لے۔''[1]

اس حدیث کے الفاظ پر غور کرو! جو خرابیاں تم موجودہ حکام کی بیان کر رہے ہو، ان سے زیادہ خرابیاں موجود ہونے پر بھی ان کی اطاعت کا حکم ہے۔ ہمارے جذباتی لوگ اطاعت کے بجائے بغاوت کا منہج اپنا کر نبوی طریقہ کار کی مخالفت کرتے ہیں اور جو بے چارہ ان احادیث کو سامنے رکھ کر اطاعت کا کہے تو اسے حکام کا ایجنٹ کہا جاتا اور عجیب وغریب القابات سے نوازا جاتا ہے۔

خراسانی: تو ظالم حکمران کے خلاف کلمہ حق کہنے کو افضل جہاد کہا گیا ہے، کیا تم اس کے قائل نہیں؟

سلفی: کیوں نہیں! کلمہ حق کہنے سے کس نے روکا ہے؟ ضرور کہو، لیکن اس کلمۂ حق کو ''تلوارِ حق'' بنانے کا ہرگز ہرگز نہیں کہا گیا اور جب کلمۂ حق کہنے کی وجہ سے حاکم ظلم کرے تو ایسی صورت میں صبر کرو اور اس کی اطاعت کرو، جیسا

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (1848)

کہ اوپر حدیث میں آیا ہے اور سلف صالحین کے اسوہ سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ پر خلقِ قرآن کے مسئلے میں کلمۂ حق کہنے پر کیا کچھ نہیں ہوا۔ اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کو جبری طلاق والے مسئلے میں کلمۂ حق کہنے پر حاکم نے ان کے ساتھ نہایت برا رویہ اختیار کیا، لیکن ان علما نے صبر کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور اسلاف میں سے کئی اوروں کی مثالیں موجود ہیں۔

خراسانی: ہاں یہ بات تو تمھاری ٹھیک ہے، لیکن خلیفہ کا ہونا بھی تو ضروری ہے، تو کیا اب ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں اور کچھ نہ کریں؟

سلفی: بھائی کس نے کہا ہے کہ کچھ نہ کریں۔ مسلمانوں اور پر امن کفار میں دعوت کا کام کریں اور حربی کفار کے خلاف جہاد کریں۔ ان دونوں کاموں کے لیے خلافت کا ہونا ہرگز ضروری نہیں، اس کے لیے ایک صحیح حدیث سناتا ہوں جس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جب خلافت نہ ہو تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ”سب سے پہلے نبوت و رحمت ہوگی، پھر خلافت و رحمت ہوگی، پھر بادشاہت و رحمت ہوگی اور پھر امارت و رحمت ہوگی اور اس کے بعد لوگ اس حکومت کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کو گدھے کی طرح کاٹیں گے۔ اس دور میں تم جہاد کو لازم پکڑنا اور تمھارا افضل جہاد الرباط (سرحدوں کی حفاظت) ہے اور افضل رباط عسقلان شہر کا رباط ہے۔

(1) طبراني (11138)

اب بھائی دیکھیں حدیث میں کتنے آسان الفاظ میں سمجھایا گیا ہے کہ جب خلافت نہ ہو اور لوگ حکومتوں کے لیے لڑ رہے ہوں تو اس وقت تمام جھگڑوں سے علاحدہ ہو کر جہاد اور رباط کو لازم پکڑنا اور پھر یہ بھی بتایا کہ افضل رباط عسقلان شہر کا ہے جو آج کل اسرائیل کے قبضے میں ہے۔غور کریں داعش تو اس حدیث کے بھی الٹ چل رہی ہے۔عسقلان کی آزادی کے لیے اسرائیل سے لڑنے کے بجائے الٹا حماس کے فلسطینی مجاہدین کو طاغوت اور کافر کہہ کر شہید کر رہی ہے۔

خراسانی: سلفی بھائی ماشاء اللہ آپ نے اتنے دلائل دیے، مجھے اختصار سے بتاؤ اب ان حالات اور موجودہ دور میں ہم کیا کریں؟

سلفی: دیکھو بات سیدھی اور آسان ہے، سورت نور کی آیات سامنے رکھو اور یہ تمام احادیث سامنے رکھو تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس پرفتن دور میں فتنوں سے بچتے ہوئے ہمیں اپنے حصے کا یہ کام کرنا چاہیے، ان شاء اللہ ان کاموں کی برکت سے خلافت خود بخود قائم ہو گی:

1. اللہ پر صحیح ایمان لے آئیں، جیسا ایمان لانے کا حق ہے۔
2. نیک عمل کے ذریعے سے اللہ کی عبادت کریں۔
3. شرک سے بچیں۔
4. مسلمانوں اور غیر حربی کفار سے نرمی برتتے ہوئے ان میں دعوت کا کام کریں۔
5. اور جہاں ضرورت ہے وہاں کفار کے خلاف جہاد کریں اور رباط (مسلمان ملکوں کی سرحدوں کا دفاع) کریں۔

ان شاء اللہ اسی نبوت کے طریقے پر چلتے ہوئے خلافت قائم ہو گی جیسا

کہ قرآن اور حدیث میں آیا ہے۔ یہ باقی سب طریقے چاہے جمہوری ہوں یا حکومتی تختے الٹانے والے ہوں، یہ سب لوگوں کے اپنی عقلوں سے بنائے ہوئے طریقے ہیں، ان کا قرآن اور اسوۂ رسول ﷺ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا، بلکہ یہ طریقے الٹا قرآن وسنت کی تعلیمات کے منافی ہیں۔

خراسانی: یہ تو سب باتیں خلافت کے قیام کے حوالے سے ہیں، یہ تو میری سمجھ میں آتی ہیں، لیکن ابوبکر بغدادی کی خلافت پر تمھیں کیا اعتراض ہے؟ اسے تم خلیفہ کیوں نہیں مانتے؟

سلفی: اس کی بہت سی وجوہات ہیں:

- ایک تو پہلے ہی ذکر کر چکا ہوں کہ اس کے انتخاب اور نامزدگی کا طریقہ کار بالکل غیر شرعی ہے۔
- خلیفہ بننے والا یہ شخص بالکل مجہول ہے، اس کی ثقاہت وعدالت بھی مشکوک ہے۔ اسے خلیفہ بنانے والے افراد بھی نامعلوم اور غیر معروف ہیں۔ خلیفہ اور اس کے چیلے سبھی اہلِ علم کی نظروں میں خارجی اور تکفیری ہیں۔
- یہ عجب خلافت ہے جو نوجوان لڑکیوں کو گھروں سے بھاگنے کی دعوت دیتی ہے۔
- اور پھر ان کے اولیا کی اجازت کے بغیر ہی ان سے نکاح کیا جاتا ہے۔
- غیر شرعی فیصلے کیے جاتے ہیں اور حرام کاموں کا ارتکاب کیا جاتا ہے جس کی ایک مثال انسانوں کو بہیمانہ طریقے سے زندہ جلانا ہے۔
- وحشت و بربریت کی انتہا ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس بنا پر ذبح کر دیا جاتا ہے کہ وہ ان کی چنگیزی خلافت کو نہیں مانتے۔

- اور جو لوگ ان کے بہکاوے میں آ کر ان کے پاس چلے جاتے ہیں تو جب وہ ان کی حقیقت سے آشنا ہو کر پلٹنے لگتے ہیں، انھیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔
- اسلامی خلافت میں انسانی خون اتنا سستا نہیں ہوتا، بلکہ اسلامی خلافت میں تو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کفار کے مال و جان کی بھی حفاظت کی جاتی ہے اور کسی بھی ایسے شخص کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہوتی جو مسلمانوں کے خلاف نہ لڑے۔ آپ خلافتِ راشدہ پر نظر دوڑائیں کس قدر امن و سلامتی کا دور دورہ تھا۔ نبی مکرم ﷺ کے دورِ مسعود سے لے کر خلافت، بلکہ پر رحمت ملوکیت تک، ساری اسلامی قلمرو میں امن وسکون قائم تھا، ذمیوں کے حقوق متعین تھے، مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے لیے بھی امن و راحت کا پیغام تھا۔ یہ ہوتی ہے اسلامی خلافت اور پر رحمت ملوکیت کہ جس میں ہر انسان اپنے لیے راحت وسکون محسوس کرے، جب کہ داعشی تسلط میں تو ہر کوئی خوف و ہراس کا شکار یا وحشت و بربریت کا علم بردار ہی نظر آتا ہے۔

خراسانی: آپ کی باتیں میرے دل کو لگتی ہیں، واقعتاً داعش کی خلافت میں یہ خرابیاں تو موجود ہیں، لیکن بہر حال وہ حدود اللہ کا قیام تو کر رہے ہیں۔

سلفی: حدود اللہ کا قیام تو پاکستان میں بھی ہے، چور کا ہاتھ کاٹنے اور زانی کو سنگسار کرنے وغیرہ کے سوا باقی کام تو ہو رہے ہیں اور یہاں ہر کسی کو اپنی دعوت دینے اور اسلام پر اپنی مرضی سے عمل پیرا ہونے کی اجازت ہے، جب کہ داعش والے تو لوگوں کو زبردستی اپنی خلافت منوانے کے چکر میں ہیں، اللہ

نے تو کسی کو جبراً مسلمان کرنے سے بھی منع کیا ہے:

﴿ لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ‌ ۙ ﴾ [البقرة: ٢٥٦] ''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔''

جب کہ داعش کی چنگیزی خلافت تو لوگوں کو دہشت زدہ کر کے اپنا تسلط منوانا چاہتی ہے۔

رہی حدود اللہ کے قیام کی بات تو آج تک انھوں نے وحشیانہ قتل و غارت کے سوا اور کیا کام کیا ہے جسے وہ حدود اللہ سے تعبیر کر سکیں؟ ہم تو ان کے اس بے دریغ قتل کرنے کے عمل کو بھی حدود اللہ کی پامالی سمجھتے ہیں۔

خراسانی: اللہ آپ کو جزائے خیر دے، وگرنہ میں تو ان کے بہکاوے میں آ چکا تھا اور گھر بار چھوڑ کر جا رہا تھا۔ آپ نے اچھا کیا جو مجھے ان کی حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ میں اس پر تہہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے ان خوارج کا شکار ہونے سے بچا لیا۔

سلفی: میرا نہیں اللہ کا شکر ادا کرو کہ جس نے تمھیں سمجھ عطا فرما دی ہے، وگرنہ جو لوگ پکے خارجی ہو جاتے ہیں، پھر وہ کسی کی نہیں سنتے اور نہ واپس دینِ حنیف کی طرف لوٹتے ہیں، آپ تو صرف ان سے تھوڑے سے متاثر ہوئے تھے، اللہ نے آپ کو مزید گمراہی سے بچا لیا۔

خراسانی: ویسے جب میں نے داعش والوں کی باتیں سنیں تو میں بہت جلد ان سے متاثر ہو گیا تھا۔

سلفی: یہ بہت بڑا فتنہ ہے، ان کے نعرے بہت خوشنما، باتیں بہت اچھی، لیکن کردار بہت گندا ہوتا ہے۔ یہی خوارج کا طرۂ امتیاز ہے اور فتنہ کہتے ہی

اسے ہیں جس سے بچنا عام آدمی کے لیے بہت مشکل ہو جائے، جو اس کے قریب جائے، اس کا شکار ہوتا چلا جائے، یہی چیز تو فتنہ کہلاتی ہے۔ دیکھتے نہیں کہ جب دجال آئے گا، حالانکہ وہ خدائی کا دعوے دار ہوگا، جو صریحاً کفر ہے اور ایسا کرنے والا واضح طاغوت ہے، لیکن جب لوگ اس کا دعویٰ سنیں گے، اس کے چند کرتب دیکھیں گے تو وہ اس سے متاثر ہو کر اسے اپنا رب سمجھنے لگیں گے۔ اس کے فتنے سے بھی صرف وہی بچے گا جسے اللہ تعالیٰ حقیقت آشنا کر دے گا۔

خراسانی: دجال کا فتنہ تو واقعتاً بہت بڑا فتنہ ہوگا، اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

سلفی: سارے فتنے ہی اسی طرح کے ہوتے ہیں کہ جوشیلے، جیالے اور جلد باز لوگ ان میں بہت تیزی سے مبتلا ہوتے ہیں۔ دجال کا فتنہ اس امت کا سب سے بڑا فتنہ ہوگا اور یہ خوارج کا فتنہ بھی انہی بڑے بڑے فتنوں میں سے ایک ہے، جن سے نبی مکرم ﷺ نے اپنی امت کو ڈرایا ہے۔

خراسانی: آپ کا بہت بہت شکریہ، میں نے آپ کا بہت سا وقت لے لیا۔ اس پر اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین!

اب میں اجازت چاہوں گا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سلفی: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو اور آپ کو ان فتنوں سے بچا کر رکھے، آمین!

داعش کا تسلط اور اسلامی خلافت

(ایک داعشی اور سلفی کا مکالمہ)

خراسانی: السلام علیکم!

سلفی: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! .... سناؤ خراسانی! کیسے آنا ہوا؟

خراسانی: میں آپ سے آخری ملاقات کرنے آیا ہوں، شاید ہم دوبارہ نہ مل سکیں۔

سلفی: وہ کیوں؟

خراسانی: ابوبکر بغدادی حفظہ اللہ امیر المومنین بن چکے ہیں، انھوں نے قیامِ خلافت کا اعلان کر دیا ہے، اب چونکہ خلافت قائم ہو چکی ہے تو میں اس جمہوری نظام کے تحت زندگی نہیں گزارنا چاہتا۔ اس لیے میں ہجرت کر کے جا رہا ہوں اور تمھیں بھی دعوت دیتا ہوں کہ تم بھی خلیفۃ المسلمین کی بیعت کرلو، آخرت کی کامیابی اسی میں ہی ہے۔

سلفی: یہ کون سی خلافت ہے کہ ایک کونے میں چھپ کر چند افراد ایسے بندے کو خلیفہ قرار دے دیں جسے امت جانتی ہی نہیں؟

خراسانی: تو کیا تم بغدادی کو خلیفہ نہیں مانتے؟

سلفی: میں تو اسے خلیفہ نہیں خارجی مانتا ہوں۔

خراسانی: کیا مطلب؟

سلفی: میں اپنے ساتھ سو پچاس نمازیوں کو جمع کر کے آج مغرب کی نماز کے بعد اپنی خلافت کا اعلان کردوں تو کیا تم مجھے خلیفہ مان لوگے؟

خراسانی: نہیں۔

سلفی: پھر میں بغدادی خلافت کو کیوں مانوں؟

خراسانی: تم تو خواہ مخواہ ہی الجھنا شروع کر دیتے ہو۔ دیکھو! داعش نے خلافت قائم کر کے دنیا بھر سے مسلمانوں کو ہجرت کی دعوت دی ہے اور جب ایک خلیفہ بن جائے تو دوسرا کوئی بھی شخص شرعی خلیفہ نہیں بن سکتا، کیونکہ ایک وقت میں شرعی خلیفہ صرف ایک ہی ہوتا ہے اور خلیفہ کی اطاعت واجب ہے۔

سلفی: یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو بھی پہلے خلافت کا دعویٰ کر دے، وہ خلیفہ ہوا خواہ وہ جعلی طریقے سے ہی دعوے دار بن جائے؟ بس پہل کر لے!

خراسانی: صرف پہل کرنے کی بات نہیں، اس میں خلافت کی شرطیں بھی پوری ہوتی ہوں تو تب وہ خلیفہ بن سکے گا، ورنہ نہیں۔

سلفی: وہ شرطیں کیا ہیں؟

خراسانی: بہت سی شرطیں ہیں، مثلاً: وہ خود امارت کا طلب گار نہ ہو، لوگ اتفاق رائے سے اسے خلیفہ یا امیر مقرر کریں، اس کے فضل و شرف کا سب کو اعتراف ہو، وہ کوئی متنازع شخصیت نہ ہو۔ علم، ورع، تقویٰ، زہد جیسی عالی صفات اس میں موجود ہوں۔

سلفی: تو کیا یہ ساری شرطیں ابوبکر بغدادی میں پائی جاتی ہیں؟

خراسانی: بالکل!

سلفی: آپ نے شرطوں میں ذکر کیا کہ اسے لوگ اتفاق رائے سے خلیفہ مقرر کریں، جب کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی اکثریت اس کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتی۔ باقی شرطوں پر بات بعد میں کریں گے پہلے اسی شرط کو پورا کرکے دکھائیں بغدادی خلیفہ میں!

خراسانی: جو لوگ وہاں موجود تھے ان سب نے ان کے خلیفہ ہونے پر اتفاق ہی تو کیا تھا! اور پھر جس جس کو ان کی خلافت پر اتفاق ہے، وہ سب ان کی بیعت کرتے جا رہے ہیں۔

سلفی: جب اسے خلیفہ قرار دیا گیا، اس وقت گنتی کے چند لوگ وہاں تھے اور وہ بھی القاعدہ سے جدا ہونے والے نیم خارجی ذہن کے افراد۔ دو ارب سے زائد افراد پر مشتمل امتِ مسلمہ میں سے چند ہزار افراد مل کر کسی شخص کو پوری امت کا خلیفہ کیسے قرار دے سکتے ہیں اور وہ شخص بھی ایسا جسے دعوائے خلافت سے قبل کوئی نہیں جانتا تھا؟!

خراسانی: پھر تم ہی بتاؤ، اگر خلیفہ کے انتخاب کا یہ طریقہ درست نہیں تو کیسے چناؤ ہوگا؟

سلفی: خلیفہ کا انتخاب مشورے کے ذریعے ہوتا ہے۔

خراسانی: مشورہ کون لوگ دیتے ہیں؟

سلفی: جو لوگ مشورہ دینے کے اہل ہوتے ہیں وہی مشورہ دیتے ہیں، انھیں اہلِ شوریٰ کہا جاتا ہے۔

خراسانی: پتا کیسے چلے گا کہ کون مشورہ دینے کا اہل ہے؟

سلفی: یہی بات اچھی طرح سمجھنے کی ہے کہ مشورہ دینے کے اہل لوگوں کا پتا کیسے چلایا جائے گا۔ جان لیجیے کہ مشورے کے اہل صرف اہلِ تقویٰ، اہلِ بصیرت اور اہلِ علم ہیں۔ اور یہ ایسی کیفیات ہیں کہ جنھیں ماپنے کے لیے کوئی پیمانہ نہیں، بلکہ اسلامی معاشرہ خود انھیں محسوس کرتا ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو عقیدے کی بنا پر ایک ملت قرار دیا ہے اور ملت معاشرے کے افراد کا نام ہے، ان افراد میں سے ملّی اور دینی خدمات کی بنا پر ملّی راہنما خود بخود فطری طریقے سے ابھر کر سامنے آتے ہیں اور یہ کام ہر معاشرے میں ہوتا ہے۔ اگر معاشرہ اسلامی ہوگا تو وہاں جس کی دینی خدمات زیادہ ہوں گی، مسلمان اسے دینی راہنما تصور کریں گے اور یہ راہنما نہ تو روپے پیسے کے زور پر ابھرتے ہیں، نہ ہی جمہوری ہلڑ بازی انھیں میدان میں لاتی ہے، نہ ہی چند افراد مل بیٹھ کر انھیں راہنما ہونے کا تمغہ دیتے ہیں اور نہ ہی یہ خود اپنے راہنما ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

آپ سیرت کا مطالعہ کیجیے، آپ کو چند نمایاں نام نظر آئیں گے، مثلاً: عشرہ مبشرہ، مہاجرین، انصار، اصحابِ بدر، اصحابِ رضوان وغیرہم۔ یہ سب گروہ کس طرح معرضِ وجود میں آئے؟ یہ مسلمانوں کے وہ راہنما تھے جو دینی خدمات کی بدولت معاشرے میں ابھر کر سامنے آ گئے اور یہی لوگ مشورے کے اہل سمجھے گئے۔ ان لوگوں کو ان کی ملّی خدمات کی بنا پر مسلمانوں کی قیادت ملی اور ایسی قیادت ہی ملت کی نمایندگی کا حق ادا کر سکتی ہے۔ جمہوریت میں قیادت علاقے کی بنا پر اکثریت کی بنیاد پر ابھرتی ہے جو اکثر لوگوں کی نمایندہ ہوتی ہے،

اور بغدادی خلافت جو سارے مسلمانوں کی قیادت ہونے کی دعوے دار ہے وہ تو اس اعتبار سے جمہوریت سے بھی گئی گزری ہے کہ اسے تو اکثریت کیا، ایک فیصد مسلمانوں کی نمایندہ کہنا بھی مشکل ہے۔

خراسانی: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تو چند افراد پر مشتمل ایک شوریٰ بنائی تھی، جو خلیفہ کا انتخاب کرتی تھی تو آج اگر خلیفۃ المسلمین ابو بکر البغدادی حفظہ اللہ کو چند افراد نے منتخب کر لیا تو اس میں کون سی قیامت ٹوٹ پڑی؟

سلفی: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو شوریٰ منتخب کی تھی، ان میں سے کسی ایک بندے پر دنیا بھر کے مسلمانوں میں سے کسی ایک فرد کو کوئی ایک بھی اعتراض تھا؟

خراسانی: نہیں!

سلفی: یہی فرق ہے بغدادی خلافت اور اسلامی خلافت کے انتخاب میں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو اراکینِ شوریٰ منتخب کیے تھے وہ متفق علیہ افراد تھے، جبکہ داعشی خلیفہ کے اراکینِ شوریٰ تمام تر اہلِ اسلام کے نزدیک مردود اور ناپسندیدہ ہیں۔

خراسانی: تمام تر اہلِ اسلام کے نزدیک تو نہیں، بہت سے لوگ ماننے والے ہیں ان کی خلافت کو۔

سلفی: ماننے والے، نہ ماننے والوں کے مقابلے میں ایک فیصد بھی نہیں اور جو اتنے تھوڑے ہوتے ہیں ان کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہوتا ہے۔

خراسانی: تو پھر خلافت کیسے آئے گی؟

سلفی: خلافت کے قیام کا آج بھی وہی طریقہ ہے جو آغازِ اسلام میں تھا۔ پہلے تو

دعوت کے ذریعے معاشرے کو شرک سے پاک کیا جائے یا کم از کم اس قدر لوگوں کو توحید آشنا کر لیا جائے کہ اہلِ شرک نہ ہونے کے برابر رہ جائیں، جب لوگوں میں ایمان آ جائے گا تو خلافت زور لگائے بغیر خود ہی قائم ہو جائے گی۔ آپ دیکھتے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں توحید کی دعوت دی، ہجرت سے کچھ پہلے نمازیں فرض ہوئیں، اس کے بعد ہجرت ہو گئی اور مدینہ میں جب مسلمان عقیدے اور عمل میں پختہ ہو گئے تو ایک اسلامی حکومت معرضِ وجود میں آ گئی۔

خراسانی: تو کیا ہم اب تبلیغی جماعت کی طرح دعوت و تبلیغ ہی کرتے رہیں اور طاغوتی نظاموں کو کچھ نہ کہیں؟

سلفی: میں نے کب کہا ہے کہ تم کفر کے اماموں کو کچھ نہ کہو، دعوت کے ساتھ ساتھ جہاد ایک اہم جزو ہے۔ جہاں آپ کو دعوتِ توحید میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، نماز، روزے پر کوئی پابندی نہیں۔ آپ دین کے جس رکن پر عمل پیرا ہونا چاہیں ہو سکتے ہیں، وہاں آپ دعوت دیں اور لوگوں کو ایمان میں مزید پختہ کریں۔ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو حق پہنچائیں اور جہاں کفار مسلمانوں پر ستم ڈھا رہے ہیں انھیں آزادی سے اسلام پر عمل پیرا نہیں ہونے دیتے، مسلمانوں کے علاقوں پر قابض ہوئے بیٹھے ہیں، وہاں آپ مسلمان حکمرانوں کے ذریعے سے بھرپور تیاری کر کے علمِ جہاد بلند کریں۔

خراسانی: تو آپ کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ملک سے باہر جا کر جہاد کرتے رہیں اور ملک میں حکمران جو چاہیں کرتے پھریں؟

سلفی: میں نے کہا ناں کہ انھیں دعوت دو۔ جب یہ لوگ آپ کی دعوت مان لیں گے تو ملک میں خون خرابہ کیے بغیر اسلامی نظام کھڑا ہو جائے گا۔ آپ اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں، سلف کو دیکھیں تو سہی کہ انھوں نے کیا کردار ادا کیا تھا؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ناصر الدین قلاوٗن کے ساتھ مل کر تا تاریوں کے خلاف جہاد کیا تھا، حالانکہ وہ خود بھی شرکیہ نعرے لگانے والا تھا۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے دعوت دی اور سمجھایا، مگر اس کے خلاف علمِ جہاد بلند نہیں کیا، نہ ہی اس پر کفر کے فتوے لگائے۔

مجددِ امتِ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کو دیکھیں تو انھوں نے بھی حکام کے خلاف خروج نہیں کیا، بلکہ انھیں دعوت دی ہے اور اپنے ساتھ ملایا ہے۔ ہم بھی جب اپنے حکام کو ان کے مقام و مرتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے دعوت دیں گے تو یقیناً وہ بھی اس سے ضرور متاثر ہو جائیں گے اور جب حکام درست ہو گئے تو پھر نظام خود ہی درست ہو جائے گا اور اسلامی طرزِ حکمرانی سے ہم مستفید ہوں گے اور یہ طریقہ مخلوق کا بنایا ہوا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمایا ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ ﴾ [النور: ۵۵]

''اللہ نے ان لوگوں میں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور ہی

جانشین بنائے گا، جس طرح ان لوگوں کو جانشین بنایا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور ہی اقتدار دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ہر صورت میں انھیں ان کے خوف کے بعد بدل کر امن دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔''

تو اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تین انعام دینے کا وعدہ کیا ہے:

1 خلافت۔ 2 غلبۂ دین۔

3 امن۔

اور یہ وعدہ ان لوگوں کے لیے ہے جو چار کام کریں:

1 ایمان لے آئیں۔ 2 نیک اعمال کریں۔

3 اللہ کی عبادت کریں۔ 4 شرک سے بچیں۔

اور ہم ایسا معاشرہ، جس میں یہ چاروں صفات موجود ہوں، دعوت ہی کے ذریعے پیدا کر سکتے ہیں۔

خراسانی: اچھا تو اس کا مطلب ہوا کہ غلبۂ اسلام اور خلافت کا جہاد سے کوئی تعلق نہیں؟

سلفی: یہ کس نے کہا ہے کہ جہاد کا غلبۂ اسلام اور خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے تو ایک آیت آپ کے سامنے پیش کی ہے، جس میں قیامِ خلافت، استحکامِ امن اور غلبۂ اسلام کا طریقۂ کار اللہ نے متعین فرمایا ہے۔

خراسانی: لیکن اس میں آپ نے جہاد کا تو ذکر ہی نہیں کیا۔ مجھے تو یہ تبلیغی

جماعت والا طریقہ لگتا ہے!

سلفی: دراصل آپ سمجھ بیٹھے ہیں کہ غلبۂ اسلام اور قیامِ خلافت کے لیے جہاد، اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے۔ حقیقت میں دعوت ہی غلبۂ اسلام اور قیامِ خلافت اور استحکامِ امن کی بنیاد ہے۔ جہاد اس کی بنیاد نہیں، بلکہ ضرورت ہے، یعنی جب ضرورت ہو گی تو جہاد کیا جائے گا۔ دعوت کے راستے کھولنے کے لیے، مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم کو ختم کرنے کے لیے، مسلمانوں کے علاقے کفار کے پنجے سے چھڑانے کے لیے، فتنہ وفساد وغیرہ مٹانے کے لیے جہاد ہو گا۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ہمارا منہجِ سیاست دعوت و جہاد ہے۔ اسلام کا مزاج، قتل و غارت کا نہیں ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ مسلمان جس علاقے پر حملہ کریں، وہاں بھی انھیں بچوں، عورتوں، کمزور بوڑھے مردوں، حتی کہ ایسے نوجوانوں کو بھی قتل کرنے سے اسلام منع کرتا ہے جو ان کے خلاف لڑتے نہیں اور ہتھیار نہیں اٹھاتے۔ اتنی پرامن لڑائی کسی اور مذہب میں کہاں؟

اسی طرح ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''نبوت کے بعد خلافت رہے گی، پھر بادشاہت آئے گی اور پھر جبر و استبداد کے ساتھ سیاست ہوگی اور پھر خلافت ایسے قائم ہو گی جیسے نبوت کے طریقے پر پہلے قائم ہوئی۔''[1]

خراسانی: سلفی بھائی! نبوت کے طریقے پر خلافت آنے کا کیا مطلب ہے؟ یہ

[1] مسند احمد (8406)

طریقہ کیا ہے؟

سلفی: یقیناً نبی اکرم ﷺ نے دو ہی کام کیے: ایک ہے دعوت، اور جب اس دعوت کے عمل میں رکاوٹ آئی تو دوسرا کام کفار کے ظلم وستم کے مقابلے میں جہاد کیا اور کلمہ گو پر نہایت نرم رہے، حتی کہ عبد اللہ بن اُبی جیسے رئیس المنافقین اور اس کے ساتھیوں کے خلاف بھی کبھی تلوار نہیں اٹھائی۔ ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اپنوں میں دعوت کا کام اور جہاں کفار مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں وہاں جہاد کرنا چاہیے اور اپنے اندر وہ خصلتیں پیدا کرنی چاہئیں جس سے خلافت قائم ہوتی ہے۔ یہی خلافت لانے کا نبوی منہج ہے۔

خراسانی: یہ کام تو داعش بھی کر رہی ہے اور تم پھر بھی اس کو برا بھلا کہہ رہے ہو؟

سلفی: اگر تم تھوڑا سا جذبات پر قابو رکھو، یہی تو تم کو اتنی دیر سے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ داعش نبوی منہج کے بالکل الٹ چل رہی ہے۔ نبوی منہج ہے کہ آپس میں نرم اور کفار پہ گرم، جب کہ ان داعشیو ں نے مسلمان حکمرانوں سے لڑ کر حماس، افغان اور شامی مجاہدین کو شہید کر کے بتا دیا کہ یہ ایک طرف اپنوں پہ سخت ہیں اور دوسری طرف انڈیا، امریکہ اور اسرائیل کے خلاف ان کی لڑائی نہ ہونے کے برابر ہے، لہٰذا غیروں پر نرمی کی پالیسی اپنا کر انھوں نے نبوی طریقہ کار سے بالکل الٹ کام کیا۔

خراسانی: لیکن سلفی بھائی ان حکمرانوں نے بھی تو ظلم کی انتہا کر رکھی ہے۔ سب کچھ لوٹ کر کھا گئے ہیں۔ عوام ان سے تنگ ہے۔ ان کا کیا کیا جائے؟

سلفی: آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے، لیکن ایسے حکمران جو ظالم ہوں، کرپٹ ہوں، ان کے ساتھ ہمارا سلوک کیسا ہونا چاہیے، اس کی راہنمائی بھی نبی اکرم ﷺ سے مل جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میرے بعد ایسے حکام ہوں گے جو نہ تو میری سنت کی پیروی کریں گے اور نہ ہی میرے طریقے کی پیروی کریں گے، ان میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کے جسم انسانوں کی مانند، لیکن ان کے دل شیطانوں کی مانند ہوں گے، اگر تم ایسا زمانہ پا لو تو ایسے حاکم کی اطاعت کرنا، چاہے وہ تمھاری پیٹھ پر کوڑے مارے یا سارا مال چھین لے۔''[1]

اس حدیث کے الفاظ پر غور کرو! جو خرابیاں تم موجودہ حکام کی بیان کر رہے ہو، ان سے زیادہ خرابیاں موجود ہونے پر بھی ان کی اطاعت کا حکم ہے۔ ہمارے جذباتی لوگ اطاعت کے بجائے بغاوت کا منہج اپنا کر نبوی طریقہ کار کی مخالفت کرتے ہیں اور جو بے چارہ ان احادیث کو سامنے رکھ کر اطاعت کا کہے تو اسے حکام کا ایجنٹ کہا جاتا اور عجیب وغریب القابات سے نوازا جاتا ہے۔

خراسانی: تو ظالم حکمران کے خلاف کلمہ حق کہنے کو افضل جہاد کہا گیا ہے، کیا تم اس کے قائل نہیں؟

سلفی: کیوں نہیں! کلمہ حق کہنے سے کس نے روکا ہے؟ ضرور کہو، لیکن اس کلمۂ حق کو ''تلوارِ حق'' بنانے کا ہرگز ہرگز نہیں کہا گیا اور جب کلمۂ حق کہنے کی وجہ سے حاکم ظلم کرے تو ایسی صورت میں صبر کرو اور اس کی اطاعت کرو، جیسا

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (1848)

کہ اوپر حدیث میں آیا ہے اور سلف صالحین کے اسوہ سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ پر خلقِ قرآن کے مسئلے میں کلمۂ حق کہنے پر کیا کچھ نہیں ہوا۔ اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کو جبری طلاق والے مسئلے میں کلمۂ حق کہنے پر حاکم نے ان کے ساتھ نہایت برا رویہ اختیار کیا، لیکن ان علما نے صبر کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور اسلاف میں سے کئی اوروں کی مثالیں موجود ہیں۔

خراسانی: ہاں یہ بات تو تمہاری ٹھیک ہے، لیکن خلیفہ کا ہونا بھی تو ضروری ہے، تو کیا اب ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں اور کچھ نہ کریں؟

سلفی: بھائی کس نے کہا ہے کہ کچھ نہ کریں۔ مسلمانوں اور پر امن کفار میں دعوت کا کام کریں اور حربی کفار کے خلاف جہاد کریں۔ ان دونوں کاموں کے لیے خلافت کا ہونا ہرگز ضروری نہیں، اس کے لیے ایک صحیح حدیث سناتا ہوں جس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جب خلافت نہ ہو تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''سب سے پہلے نبوت و رحمت ہو گی، پھر خلافت و رحمت ہو گی، پھر بادشاہت و رحمت ہو گی اور پھر امارت و رحمت ہو گی اور اس کے بعد لوگ اس حکومت کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کو گدھے کی طرح کاٹیں گے۔ اس دور میں تم جہاد کو لازم پکڑنا اور تمھارا افضل جہاد الرباط (سرحدوں کی حفاظت) ہے اور افضل رباط عسقلان شہر کا رباط ہے۔

---

(1) طبراني (11138)

اب بھائی دیکھیں حدیث میں کتنے آسان الفاظ میں سمجھایا گیا ہے کہ جب خلافت نہ ہو اور لوگ حکومتوں کے لیے لڑ رہے ہوں تو اس وقت تمام جھگڑوں سے علاحدہ ہو کر جہاد اور رباط کو لازم پکڑنا اور پھر یہ بھی بتایا کہ افضل رباط عسقلان شہر کا ہے جو آج کل اسرائیل کے قبضے میں ہے۔غور کریں داعش تو اس حدیث کے بھی الٹ چل رہی ہے۔عسقلان کی آزادی کے لیے اسرائیل سے لڑنے کے بجائے الٹا حماس کے فلسطینی مجاہدین کو طاغوت اور کافر کہہ کر شہید کر رہی ہے۔

خراسانی: سلفی بھائی ماشاء اللہ آپ نے اتنے دلائل دیے، مجھے اختصار سے بتاؤ اب ان حالات اور موجودہ دور میں ہم کیا کریں؟

سلفی: دیکھو بات سیدھی اور آسان ہے، سورت نور کی آیات سامنے رکھو اور یہ تمام احادیث سامنے رکھو تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس پرفتن دور میں فتنوں سے بچتے ہوئے ہمیں اپنے حصے کا یہ کام کرنا چاہیے، ان شاء اللہ ان کاموں کی برکت سے خلافت خود بخود قائم ہو گی:

1. اللہ پر صحیح ایمان لے آئیں، جیسا ایمان لانے کا حق ہے۔
2. نیک عمل کے ذریعے سے اللہ کی عبادت کریں۔
3. شرک سے بچیں۔
4. مسلمانوں اور غیر حربی کفار سے نرمی برتتے ہوئے ان میں دعوت کا کام کریں۔
5. اور جہاں ضرورت ہے وہاں کفار کے خلاف جہاد کریں اور رباط (مسلمان ملکوں کی سرحدوں کا دفاع) کریں۔

ان شاء اللہ اسی نبوت کے طریقے پر چلتے ہوئے خلافت قائم ہو گی جیسا

کہ قرآن اور حدیث میں آیا ہے۔ یہ باقی سب طریقے چاہے جمہوری ہوں یا حکومتی تختے الٹانے والے ہوں، یہ سب لوگوں کے اپنی عقلوں سے بنائے ہوئے طریقے ہیں، ان کا قرآن اور اسوۂ رسول ﷺ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا، بلکہ یہ طریقے الٹا قرآن وسنت کی تعلیمات کے منافی ہیں۔

خراسانی: یہ تو سب باتیں خلافت کے قیام کے حوالے سے ہیں، یہ تو میری سمجھ میں آتی ہیں، لیکن ابو بکر بغدادی کی خلافت پر تمھیں کیا اعتراض ہے؟ اسے تم خلیفہ کیوں نہیں مانتے؟

سلفی: اس کی بہت سی وجوہات ہیں:

- ایک تو پہلے ہی ذکر کر چکا ہوں کہ اس کے انتخاب اور نامزدگی کا طریقہ کار بالکل غیر شرعی ہے۔
- خلیفہ بننے والا یہ شخص بالکل مجہول ہے، اس کی ثقاہت وعدالت بھی مشکوک ہے۔ اسے خلیفہ بنانے والے افراد بھی نامعلوم اور غیر معروف ہیں۔ خلیفہ اور اس کے چیلے سبھی اہلِ علم کی نظروں میں خارجی اور تکفیری ہیں۔
- یہ عجب خلافت ہے جو نوجوان لڑکیوں کو گھروں سے بھاگنے کی دعوت دیتی ہے۔
- اور پھر ان کے اولیا کی اجازت کے بغیر ہی ان سے نکاح کیا جاتا ہے۔
- غیر شرعی فیصلے کیے جاتے ہیں اور حرام کاموں کا ارتکاب کیا جاتا ہے جس کی ایک مثال انسانوں کو بہیمانہ طریقے سے زندہ جلانا ہے۔
- وحشت و بربریت کی انتہا ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس بنا پر ذبح کر دیا جاتا ہے کہ وہ ان کی چنگیزی خلافت کو نہیں مانتے۔

- اور جو لوگ ان کے بہکاوے میں آ کر ان کے پاس چلے جاتے ہیں تو جب وہ ان کی حقیقت سے آشنا ہو کر پلٹنے لگتے ہیں، انھیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔
- اسلامی خلافت میں انسانی خون اتنا سستا نہیں ہوتا، بلکہ اسلامی خلافت میں تو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کفار کے مال و جان کی بھی حفاظت کی جاتی ہے اور کسی بھی ایسے شخص کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہوتی جو مسلمانوں کے خلاف نہ لڑے۔ آپ خلافتِ راشدہ پر نظر دوڑائیں کس قدر امن و سلامتی کا دور دورہ تھا۔ نبی مکرم ﷺ کے دورِ مسعود سے لے کر خلافت، بلکہ پر رحمت ملوکیت تک، ساری اسلامی قلمرو میں امن وسکون قائم تھا، ذمیوں کے حقوق متعین تھے، مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے لیے بھی امن و راحت کا پیغام تھا۔ یہ ہوتی ہے اسلامی خلافت اور پر رحمت ملوکیت کہ جس میں ہر انسان اپنے لیے راحت وسکون محسوس کرے، جب کہ داعشی تسلط میں تو ہر کوئی خوف و ہراس کا شکار یا وحشت و بربریت کا علم بردار ہی نظر آتا ہے۔

خراسانی: آپ کی باتیں میرے دل کو لگتی ہیں، واقعتاً داعش کی خلافت میں یہ خرابیاں تو موجود ہیں، لیکن بہرحال وہ حدود اللہ کا قیام تو کر رہے ہیں۔

سلفی: حدود اللہ کا قیام تو پاکستان میں بھی ہے، چور کا ہاتھ کاٹنے اور زانی کو سنگسار کرنے وغیرہ کے سوا باقی کام تو ہو رہے ہیں اور یہاں ہر کسی کو اپنی دعوت دینے اور اسلام پر اپنی مرضی سے عمل پیرا ہونے کی اجازت ہے، جب کہ داعش والے تو لوگوں کو زبردستی اپنی خلافت منوانے کے چکر میں ہیں، اللہ

نے تو کسی کو جبراً مسلمان کرنے سے بھی منع کیا ہے:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ﴾ [البقرة: ٢٥٦] ''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔''

جب کہ داعش کی چنگیزی خلافت تو لوگوں کو دہشت زدہ کر کے اپنا تسلط منوانا چاہتی ہے۔

رہی حدود اللہ کے قیام کی بات تو آج تک انھوں نے وحشیانہ قتل و غارت کے سوا اور کیا کام کیا ہے جسے وہ حدود اللہ سے تعبیر کر سکیں؟ ہم تو ان کے اس بے دریغ قتل کرنے کے عمل کو بھی حدود اللہ کی پامالی سمجھتے ہیں۔

خراسانی: اللہ آپ کو جزائے خیر دے، وگرنہ میں تو ان کے بہکاوے میں آ چکا تھا اور گھر بار چھوڑ کر جا رہا تھا۔ آپ نے اچھا کیا جو مجھے ان کی حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ میں اس پر تہہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے ان خوارج کا شکار ہونے سے بچا لیا۔

سلفی: میرا نہیں اللہ کا شکر ادا کرو کہ جس نے تمھیں سمجھ عطا فرما دی ہے، وگرنہ جو لوگ پکے خارجی ہو جاتے ہیں، پھر وہ کسی کی نہیں سنتے اور نہ واپس دینِ حنیف کی طرف لوٹتے ہیں، آپ تو صرف ان سے تھوڑے سے متاثر ہوئے تھے، اللہ نے آپ کو مزید گمراہی سے بچا لیا۔

خراسانی: ویسے جب میں نے داعش والوں کی باتیں سنیں تو میں بہت جلد ان سے متاثر ہو گیا تھا۔

سلفی: یہ بہت بڑا فتنہ ہے، ان کے نعرے بہت خوشنما، باتیں بہت اچھی، لیکن کردار بہت گندا ہوتا ہے۔ یہی خوارج کا طرۂ امتیاز ہے اور فتنہ کہتے ہی

اسے ہیں جس سے بچنا عام آدمی کے لیے بہت مشکل ہوجائے، جو اس کے قریب جائے، اس کا شکار ہوتا چلا جائے، یہی چیز تو فتنہ کہلاتی ہے۔ دیکھتے نہیں کہ جب دجال آئے گا، حالانکہ وہ خدائی کا دعوے دار ہوگا، جو صریحاً کفر ہے اور ایسا کرنے والا واضح طاغوت ہے، لیکن جب لوگ اس کا دعویٰ سنیں گے، اس کے چند کرتب دیکھیں گے تو وہ اس سے متاثر ہوکر اسے اپنا رب سمجھنے لگیں گے۔ اس کے فتنے سے بھی صرف وہی بچے گا جسے اللہ تعالیٰ حقیقت آشنا کر دے گا۔

خراسانی: دجال کا فتنہ تو واقعتاً بہت بڑا فتنہ ہوگا، اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

سلفی : سارے فتنے ہی اسی طرح کے ہوتے ہیں کہ جوشیلے، جیالے اور جلد باز لوگ ان میں بہت تیزی سے مبتلا ہوتے ہیں۔ دجال کا فتنہ اس امت کا سب سے بڑا فتنہ ہوگا اور یہ خوارج کا فتنہ بھی انہی بڑے بڑے فتنوں میں سے ایک ہے، جن سے نبی مکرم ﷺ نے اپنی امت کو ڈرایا ہے۔

خراسانی: آپ کا بہت بہت شکریہ، میں نے آپ کا بہت سا وقت لے لیا۔ اس پر اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین!

اب میں اجازت چاہوں گا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سلفی: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو اور آپ کو ان فتنوں سے بچا کر رکھے، آمین!